دُرِّ آبدار لِضِیافۃِ الابرار

حکمت و معرفت کے چمک دار موتیوں سے بھر پور اصلاحی ملفوظات جو بیمار قلوب کے لیے نسخۂ شفا اور صحت مند قلوب کے لیے قوت و غذا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جلد ۔۲

چمکتے موتی

از افادات حضرت حاجی شکیل احمد صاحب مدظلہ العالی
مُجازِ بیعت حضرت مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

دُرِّ آبدار لضیافۃ الابرار

حکمت و معرفت کے چمکدار موتیوں سے بھرپور اصلاحی ملفوظات جو بیمار قلوب کے لئے نسخۂ شفاء اور صحت مند قلوب کے لئے قوت و غذا کی حیثیت رکھتے ہیں

مرتب

خدامِ حضرت والا

ناشر

ادارہ فیضِ فقیر، ترکیسر، گجرات۔

سلسلۂ اشاعت

کتاب کا نام : دُرِّ آبدار لضیافۃ الابرار (دوم)

تقریظ : حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب جونپوری مدظلہ العالی

از افادات : نمونۂ اسلاف حضرت الحاج شکیل احمد صاحب دامت برکاتہم

مرتب : مولانا محمد سہیل قاسمی

تعداد : گیارہ سو (١١٠٠)

اشاعت اول : ۲۰۰۹ء

ناشر : ادارہ فیضِ فقیر، ترکیسر، گجرات۔

ملنے کے پتے

☆ حضرت مولانا صلاح الدین صاحب نقشبندی
ادارہ فیضِ فقیر، ترکیسر، گجرات۔

☆ ادارۂ اسلامیات ٣٦ محمد علی روڈ، ممبئی۔ ٣

سعادتِ انتساب

یا رب ان کو تو عطا کر نکہتِ حُسنِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کیلئے

یہ میرے لئے بڑے عزوشرف کا مقام ہے کہ میں اپنے اس ناچیز مجموعہ ”دُرِّ آبدار لضیافۃ الابرار“ کو اپنے محسن اور پیرومرشد حضرت الحاج تمکین احمد صاحب دامت برکاتہم کے اسمِ گرامی کے ساتھ منسوب کرتا ہوں۔

انہیں کو نذر کر دوں تحفۃً یہ گلدستہ
یہ میں نے جن کے گلستاں سے کی ہے گل چینی

محمد سہیل عفی عنہ

فہرست

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لحضرة الجلالة والعنت لخاتم الرسالة والصلوٰة والسلام علیٰ من کان نبیاً والآدم علیه السلام بین الماء والتین فسبحان من خلق الانسان من ماءٍ مهین، وانطق له اللسان واعطاه البیان وان من البیان لسحراً، وذٰلک فضل الله یعطیه لمن یشآء ماشآء ویخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ولٰکن اکثر الناس لایعلمون، ولله الخلق والامر کله فاذا اراد شیئاً فیقول له کن فیکون بعد!

تاریخ میں قدرت کے ایسے شواہد موجود ہیں کہ قادر و قہار جل جلالہٗ نے بے روح اور بے جان چیزوں کے واسطہ اور ذریعہ قدرت کے ایسے شاہکار اور نمونے ایجاد فرمائے ہیں کہ عرفاء ذی روح دنگ رہ گئے، مثلاً خشک اور بوسیدہ لکڑی ہونے کے باوجود استن حنانہ کا فراقِ حبیبِ رب العالمین پر آہ و بکا اور وہ بھی ایسا کہ بڑے بڑے عرفاء اصحاب سے نہ تھمتا ہے، اور بہت ہی معمولی اور ضعیف تر پرند کے واسطے ابرہہ جیسے دم خم اور سینہ تاننے والے ہاتھیوں اور ہاتھی سواروں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس لئے آج بھی ہم اور آپ اگر کسی کو کچھ نہ سمجھتے ہوں مگر خدا تعالیٰ قادر و قہار اس سے ایسا کام لے لیں جو ہم جیسے انار کھنے والوں سے نہ بن آئے تو کیا عجب ہے۔ پیشِ نظر رسالہ جو آپ کے روبرو ہے کم از کم اس حقیر کے روبرو اسی طرح کے عجائبات میں سے ہے اور یہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے کہ

نگارِ من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت — بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

ثکارمن کہ بہ مکتب رسید و درس نہ کرد — سبق بغمزہ دیا موخت صد مدرس شد

اس سے میری مراد میرے محبوب ومحب دوست وصدیق حمیم بھائی شکیل احمد زادمجدہ ہیں ان کی جس کاوشِ مسعود پر یہ خامہ فرسائی یہ سودائی کررہا ہے آپ کے سامنے ہے پڑھئے اور خود فیصلہ فرمائیے کہ اس ناکارہ کی گذارشات محض مجنون کی بڑ ہیں یا کچھ حق اور حقیقت بھی۔ آگے بس ایک جملہ پر اپنی ہرزہ سرائی ختم کرتا ہوں کہ ؎

لذت مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

بس پڑھ کر ہی فیصلہ کیجئے ''وما اردت الا اظہار ما ھوالحق عندی''

واخیراً دوبارہ کہتا ہوں کہ ؎ لذت مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

بس خود پڑھ کر فیصلہ کیجئے۔

والسلام

ناکارہ وآوارہ قسمتوں کا مارا

محمد حنیف غفرلہٗ جونپوری

۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق ۵؍اگست ۲۰۰۹ء

دیباچہ

ملفوظات کا مرتب صاحبِ ملفوظات کی خدمت میں

تقریباً چار سال قبل ۲۰۰۵ء میں اس عاجز کو بھائی شہاب الدین مرحوم (شالیمار ریسٹورنٹ والے) کے قائم کردہ صفا اسکول میں تدریسی خدمت کا موقع ملا جہاں اساتذہ کی شرائطِ تقرری میں یہ شرط بھی تھی کہ مدرس کا کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق ہونا ضروری ہے ،اور جن مدرسین کا تاحال کسی سے اصلاحی تعلق نہیں ہے وہ بہت جلد اس جانب پیش قدمی کریں۔

چونکہ اس عاجز کا بھی اس وقت تک کسی سے اصلاحی تعلق نہیں تھا اس لئے اسکول کے ذمہ دار بھائی شہاب الدین مرحوم کثر مجھے اس جانب توجہ دلاتے رہتے اور کہتے کیوں مولانا! کسی طرف قلبی رجحان ہوا یا نہیں؟ اور ہر مرتبہ میں انہیں یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ غور کررہا ہوں۔

میری طبیعت دو وجہوں سے اس طرف مائل نہیں ہوتی تھی۔

پہلی وجہ تو اس طریق کی افادیت سے عدمِ واقفیت تھی جس کی بناء پر میں یہ سمجھتا تھا کہ پڑھنے پڑھانے کے بعد اس چیز کی چنداں ضرورت نہیں رہتی، اس سے میری جہالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر کبھی کسی موقع پر کسی اللہ والے کی مجلس میں بیٹھ کر اس جانب دل مائل بھی ہوا تو اپنی کوتاہ نظری کے باعث کسی ایسی شخصیت پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی جس کی طرف قلبی رجحان ہو، حالانکہ اس راہ کے بہت سے عارفین کاملین پہلے بھی موجود تھے اب بھی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے جن سے امت کے ایک بہت بڑے طبقہ نے پہلے بھی فیض

اٹھایا اب بھی اٹھا رہا ہے اور آئندہ بھی اٹھاتا رہے گا جن کا باکمال ہونا کسی دلیل اور حجت کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن مجھ میں وہ قلبی میلان (جس کا اس راہ سے استفادہ میں بہت بڑا دخل ہے) نہ ہونے کے باعث میں ان حضرات عارفین وکاملین کے فیضِ صحبت سے محروم رہا، عمرِ عزیز کے اتنے قیمتی سال ضائع ہوجانے پر مجھے آج بھی حد درجہ افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے اللہ کے علم میں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم وتاخیر کی گنجائش نہیں۔ بالآخر میری زندگی میں بھی وہ قیمتی وقت آیا جب اللہ کی رحمت اس گنہگار کی جانب متوجہ ہوئی اور اس نے مجھے اس مہربان اور شفیق مصلح ومربی کے قدموں میں ڈال کر اس محرومی کے نقصانِ عظیم کی تلافی کا انتظام فرمادیا جنہیں الحاج شکیل احمد صاحب (دامت برکاتہم) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب دامت برکاتہم کے پہلے پیرومرشد عارف باللہ حضرت قدس مولانا عبدالحلیم صاحبؒ اکثر وبیشتر بمبئی تشریف لایا کرتے تھے، بمبئی میں حضرت کا قیام حاجی رضوان صاحب عطروالے کے مکان پر ہوتا تھا جو حضرت کے خاص لوگوں میں تھے جنہیں حضرت سے انتہا درجہ کی محبت تھی اور آج بھی ہے۔ حضرت بیماری اور ضعف کے باوجود کبھی کبھار مرغی محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لاتے تھے والد صاحب مجھے بھی اپنے ہمراہ مسجد لے جاتے اور بغرضِ دعا حضرت سے ملاقات کرواتے تھے یہ میرے بچپن کی بات ہے۔

حضرت سے ملاقات کے وقت اور آپ کی مجالس میں جن حضرات کو میں اکثر حضرت کے ساتھ دیکھا کرتا ان میں حضرت کے میزبان حاجی رضوان صاحب کے علاوہ

حضرت مولانا منیر احمد صاحب اور حاجی شکیل احمد صاحب دامت برکاتہم نمایاں رہتے۔ حضرتؒ سے ملاقات کے بعد والد صاحب ان دونوں حضرات سے بھی ملاقات کرواتے اور دعا کی درخواست کرتے، اس وقت سے ان دونوں حضرات کی شخصیت ذہن پر اس طرح نقش ہوئی کہ یہ والد صاحب کے دوست ہیں اور نیک آدمی ہیں۔ بعد ازاں جب بھی ملاقات کا اتفاق ہوا تو اسی سابقہ تاثر کے ساتھ سلام ومصافحہ کرتا۔

چونکہ آپ کے بھائی شہاب الدین مرحوم سے قریبی روابط تھے اس لئے آپ جب کبھی بھنڈی بازار آتے تو ان سے ملاقات کرنے ان کے ہوٹل شالیمار ضرور تشریف لاتے، نماز کا وقت ہوجانے پر قریب کی مرغی محلہ مسجد میں تشریف لاتے تو یہ عاجز ملاقات کا شرف حاصل کرتا اور قابلِ رشک نگاہوں سے آپ کو دیکھا کرتا: کیونکہ قریبی احباب سے آپ کی سنتوں سے آراستہ عملی زندگی نیز حفظ حدود شریعت پر مبنی حالات اکثر سنا کرتا تھا جس کی بناء پر دل میں رشک ہوتا کہ کس طرح اللہ رب العزت نے ایک کاروباری شخص کو نہجِ نبوت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائی ہے لیکن یہ اللہ پاک کی عطا اور اس کا خاص فضل تھا جو اس نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔

اسی طرح کئی سال تک بغیر قصد وطلب کے محض اتفاقی طور پر کئی دفعہ زیارت وملاقات کی نوبت آئی لیکن ان سرسری اور اتفاقی ملاقاتوں میں میں اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکا کہ آپ ایک مخلص اور دیندار آدمی ہیں۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہے کہ آپ سے مختلف ملاقاتوں اور آپ کی بابت احباب کے تذکرے سننے کے باوجود میرے سامنے آپ کا تعارف اجمالی تھا، آپ کو قریب سے دیکھنے، آپ کی گفتگو سننے اور آپ کی صحبت میں کچھ وقت گزار

نے کا پہلا اتفاق اس وقت ہوا جب میں ایک نجی کام سے میرے مخلص دوست اور کرم فرما بھائی ساجد سے ملاقات کرنے پنویل پہنچا۔ یہ میرا پہلا سفر پنویل تھا۔ اس سفر کی میرے نزدیک بڑی مستقل اہمیت ہے کہ اس سفر میں جہاں مجھے آپ کا مزید تعارف ہوا وہیں درحقیقت یہ سفر ہی آپ کی مبارک مجلسوں تک میرے پہنچنے کا باعث ہوا۔

اس سفر میں چند گھنٹے آپ کی صحبت میں گذارنے اور آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اس کے بعد بھی مذکورہ کام کی بناء پر مجھے متعدد مرتبہ پنویل جانا پڑا، چونکہ آپ بھی اکثر بھائی ساجد کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے اس لئے اس دوران آپ سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں اور ہر ملاقات کے بعد آپ کو بار بار دیکھنے اور آپ کی باتیں سننے کا اشتیاق بڑھتا چلا گیا۔ اسی دوران بھائی ساجد کی معرفت آپ کی اصلاحی مجالس کا علم ہوا، آپ کی گفتگو سن کر چونکہ آپ سے ایک گونہ دلی مناسبت پیدا ہوچکی تھی لہٰذا مجلس سے متعلق معلوم ہونے پر دل میں حاضری کا داعیہ پیدا ہوا۔ چنانچہ دن اور وقت معلوم کرکے ایک مرتبہ جمعرات کے روز آپ کی مجلس میں پہنچا، کچھ دیر بعد آپ تشریف لائے اور کرسی پر بیٹھ گئے جب مجھ پر نگاہ پڑی تو فرمایا "اچھا آج مولوی سہیل بھی آئے ہیں" پھر والد صاحب وغیرہ کی خیریت دریافت فرمائی۔ کچھ دیر اسی طرح لوگوں کے احوال دریافت فرماتے رہے اور پھر بیان شروع فرمایا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بیان ہوا بیان کے بعد بڑی رقت آمیز دعا فرمائی مسلسل ایک گھنٹہ بیان سننے کے بعد بھی تشنگی باقی رہی۔ حضرت دامت برکاتہم کی مجلس میں یہ میری پہلی حاضری تھی، پورے بیان میں آپ نے نفس اور شیطان کے مکائد کھول کھول کر بیان فرمائے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے ہمارے اندر موجود باطنی عیوب کی نشاندہی فرمارہے ہوں۔ آپ کی مجلس میں شرکت کے بعد پہلی مرتبہ مجھے اپنی جہالت، بے دینی و بے راہ روی نیز ظاہری و باطنی کبیرہ گناہوں میں ملوث ہونے کا احساس ہوا ورنہ تو کبائر کے ارتکاب کے باوجود میں

اپنی دینی سطح سے حد درجہ مطمئن تھا، اپنے متعلق لوگوں کا اچھا گمان ہونے کی وجہ سے میں خود کو دیندار سمجھنے لگا تھا، زندگی میں طاعت کا شوق اور رغبت تھی نہ ہی گناہوں سے بچنے کا اہتمام تھا۔ غرض

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے   عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

کا مصداق زندگی بے ڈھنگی رفتار سے گذر رہی تھی۔ اس روز مجلس میں شرکت کے بعد پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ من حیث المسلم مجھے کس طرح احکامِ شرعیہ کی پاسداری اور اتباعِ سنت کے اہتمام کے ساتھ زندگی گذارنا چاہئے اور میں کیسے زندگی گذار رہا ہوں۔

دعا کے بعد آپ سے مصافحہ ہوا اور آئندہ مجلس میں شرکت کا مصمم ارادہ کرکے میں وہاں سے لوٹ آیا اور آئندہ مجلس کا انتظار کرنے لگا۔ دو چند مجلسوں میں شرکت کے بعد تو یہ حالت ہوگئی کہ ہر منگل کے بعد جمعرات اور ہر جمعرات کے بعد منگل کا انتظار رہنے لگا (واضح ہو کہ اس وقت اتوار کی مجلس منگل کے روز ہوا کرتی تھی)۔ چونکہ اس دوران میرا صفا اسکول سے تدریسی رشتہ منقطع ہوچکا تھا اس لئے پابندی کے ساتھ ہفتہ کی دونوں مجلسوں میں شرکت کے علاوہ بھی بکثرت آپ کی خدمت وصحبت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوتی۔

جوں جوں آپ کی صحبت میسر آتی گئی اور آپ کی مجلسوں میں شرکت کا موقع ملتا گیا اسی قدر آپ کی عظمت اور احترام، محبت وعقیدت دل کی گہرائی میں اترتی چلی گئی۔ اور بار بار یہ خیال آنے لگا کہ مجھے اصلاحِ نفس کے لئے جس شخص کی تلاش تھی اللہ پاک نے میرے لئے آپ کی شکل میں اس کا انتظام فرمادیا ہے۔ اب مجھے باقاعدہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے اور خود کو آپ کے حوالہ کرنے میں کسی قسم کا کوئی تامل نہ تھا۔

چنانچہ ۲۶ر نومبر ۲۰۰۴ء بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشاء میں نے نہایت ہمت جٹا کر اسی غرض سے آپ کو فون کیا تا کہ ملاقات کا وقت لے کر حاضرِ خدمت ہوں اور اپنی خواہش کا اظہار کروں، آپ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ اگلے روز وقتِ موعود پر آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، دروازہ پر دستک دی اندر سے میرا نام پوچھا گیا، میں نے اپنا نام بتلایا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ چونکہ آپ کے مکان پر میری یہ پہلی حاضری تھی اس لئے مکان میں داخل ہونے کے اصول و آداب سے میں ناواقف تھا۔ گھر کی مستورات یہ سمجھ کر کہ آنے والا شخص مکان میں داخل ہونے کے طریقہ سے واقف ہے پس پردہ ہو گئیں، لیکن کچھ دیر تک دروازہ کھلا دیکھ کر انہوں نے پسِ پردہ مجھے بتلایا کہ آپ اندر آجائیں اور بسم اللہ کہہ کر دروازہ بند کر لیں اور سامنے کتاب والے کمرہ میں چلے جائیں۔ میں بتائے گئے طریقہ کے مطابق کتاب والے کمرہ میں داخل ہو گیا، اندر پہنچ کر دیکھا کہ ایک کشادہ کمرہ ہے جس کے چاروں جانب الماریاں بنی ہوئی ہیں اور اس میں مختلف علوم وفنون پر مشتمل عربی اور اردو کی بہت سی کتابیں نہایت سلیقہ سے ایک خاص ترتیب کے ساتھ رکھی ہوئی ہیں۔ کمرہ نہایت صاف ستھرا اور اس میں نہایت سلیقہ کے ساتھ رکھی ہوئی تمام چیزیں دیکھ کر جی بہت خوش ہوا۔ چونکہ میں کمرہ میں اکیلا تھا لہٰذا میں نے الماری میں موجود کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور تصوف وغیرہ موضوعات پر مشتمل مستند کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ دیکھ کر آپ کا ذوقِ انتخاب اور دینی کتب سے آپ کا والہانہ لگاؤ واضح طور پر معلوم ہو رہا تھا اور ان کا حُسنِ ترتیب سے رکھا جانا مزید خوش حسن معلوم ہو رہا تھا۔

کتابوں کے دیکھنے سے فارغ ہوا تو تنہائی میں بیٹھ کر آپ سے گفتگو کا ڈھنگ سوچنے لگا کہ کیا کہوں اور کیسے کہوں۔ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ تشریف لے آئے، میں نے کھڑے ہو کر مصافحہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا آؤ معانقہ کر لیں پھر کچھ دیر میری اور اہلِ خانہ

کی خیریت دریافت فرماتے رہے۔ اس کے بعد مجھے اپنے گھر میں داخل ہونے کا طریقہ بالتفصیل سمجھانے کے بعد فرمایا کہ میرے گھر آنے والوں کو عموماً گھر میں داخل ہونے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اس لئے انہیں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوتا۔ میں نے آپ کو طریقہ اس لئے بتلا دیا کہ اللہ کرے آپ کا دوبارہ آنا ہو تو آپ کو پریشانی لاحق نہ ہو۔ پھر آپ نے الماری میں موجود کتابوں سے متعلق دریافت فرمایا کہ آپ کو ہماری لائبریری کیسی لگی؟ میں نے عرض کیا کہ ماشاء اللہ کتابوں کا بڑا ذخیرہ یہاں موجود ہے۔ فرمانے لگے کہ میں پڑھا لکھا آدمی تو ہوں نہیں نہ ہی ان عربی کتابوں سے واقف ہوں یہ سوچ کر جمع کر رکھی ہیں کہ میرے پاس اکثر علماء کرام آتے رہتے ہیں انہیں اپنے ذوق کے مطابق عربی کتب کے دیکھنے کا موقع مل جائے گا اور ان سے کہتا بھی رہتا ہوں کہ اگر دورانِ مطالعہ کسی نئی بات کا علم ہو تو مجھے ضرور آگاہ کریں تا کہ میں بھی اس پر عمل کرنے لگوں۔ پھر آپ نے بہ اصرار اپنے ساتھ ناشتہ کرایا اس طرح پہلی مرتبہ آپ کے دسترخوان پر کھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

الغرض اس طرح کی مختلف گفتگو کے ذریعہ کچھ تکلف کم ہوا اور کچھ ہمت بندھی تو میں نے اپنے آنے کی غرض بیان کی، میرا مقصود سن کر آپ نے فرمایا کہ جب آپ اس غرض سے آئے ہیں تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ میرے متعلق جان لیں کہ میں کون ہوں، میری سابقہ زندگی کیسی تھی اور لوگوں کی میرے متعلق کیا رائے ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ حسنِ ظن کی بناء پر مجھ سے عقیدت وارادت کا تعلق قائم کر لیں اور پھر میرے متعلق کوئی ایسی بات جو آپ کے علم میں نہ ہو معلوم ہونے پر آپ بدظنی میں مبتلا ہو جائیں۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ میری زندگی کے کچھ تفصیلی احوال آپ کے سامنے آجائیں۔ پھر آپ نے اپنی زندگی کے احوال بالتفصیل بیان فرمائے۔ افسوس کہ وہ تمام تفصیلات قلمبند نہ ہو سکیں البتہ

اسکا احساس تھا کہ اب بھی ذہن میں محفوظ ہے اور یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ اس دوران آپ نے کچھ ایسی باتیں بھی ارشاد فرمائی تھیں جنہیں سن کر میری آنکھوں سے آنسو مسلسل رواں تھے، آپ کی آنکھیں بھی مسلسل جاری تھیں اب بھی وہ منظر ذہن میں گھومتا ہے تو دل کی عجیب حالت ہوجاتی ہے۔

الغرض جس قدر گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا اسی قدر آپ کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی گئی، ساتھ ہی یہ عزم اور بھی پختہ ہوتا گیا کہ اگر نفس کی اصلاح مقصود ہو تو بلا تاخیر خود کو آپ کے قدموں میں ڈال دینا چاہئے۔

اس وقت آپ کی گفتگو میں جو سوز و درد، عجز و فنائیت، مسکنت اور بے چارگی تھی اسے الفاظ کا جامہ پہنانا کم از کم مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کیلئے تو تقریباً ناممکن ہے۔ بس ایک عجیب قلبی کیفیت تھی جسے اس راہ سے ناواقف ہونے کے باوجود میں محسوس کر سکتا تھا۔ اسی دوران جبکہ میری اور آپ کی آنکھوں سے آنسو مسلسل جاری تھے میری زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آگئے کہ "میں اپنے آپ کو آپ کے حوالہ کرنے آیا ہوں" یہ سنتے ہی فوراً آپ نے گفتگو کا سلسلہ منقطع فرما کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لیے اور مجھ سے فرمایا کہ مولوی سہیل! چلئے دعا کر لیتے ہیں۔ ظہر سے قبل تقریباً نصف گھنٹہ سے زائد آپ نے دعا فرمائی جس میں میرے اور آپ کے علاوہ کوئی شریک نہ تھا۔ دعا کیا تھی گویا اللہ پاک سے بالمشافہ گفتگو تھی، اس وقت دعا میں ایسے مضامین اللہ پاک آپ کے قلب پر القا فرما رہے تھے جو میں نے پہلی مرتبہ سنے تھے، سچ پوچھیے تو پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ دعا تو ایسے بلبلا کر مانگی جاتی ہے۔ اس دعا میں سسکیاں لے لے کر آپ اس قدر زار و قطار رو رہے تھے جیسے

کوئی ماں اپنے جوان بیٹے کی موت پر رویا کرتی ہے اس دوران میری نگاہ تو کبھی کبھی آپ کے چہرہ پر پڑ بھی جاتی لیکن آپ آس پاس سے بے خبر دیوانہ وار رو رہے تھے۔ اس دعا کی لذت آج تک اس گنہگار کو یاد ہے۔ دعا سے فارغ ہو کر دیکھا تو آنسو آپ کے چہرہ، داڑھی اور ہاتھ کی حدوں کو پھلانگ کر دامن تک پہنچ چکے تھے، آنکھیں بالکل سرخ ہو چکی تھیں۔

دعا کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں دعا میں اکثر اللہ پاک سے یہ بھی مانگتا ہوں کہ "یا اللہ! جب بھی ساعتِ مقبولہ ہو اس وقت آپ عافیت کے ساتھ میرے قلب کو غفلت سے نکال کر اپنی جانب متوجہ کر لیجئے اور اس وقت جو دعائیں میری دنیا اور آخرت کیلئے سب سے اچھی ہوں وہ میری زبان پر جاری فرما دیجئے"۔ پھر اس دعا کی برکت سے جب کبھی دل میں دعا کا خیال آتا ہے تو موقع ہونے پر ہاتھ اٹھا کر ورنہ بغیر ہاتھ اٹھائے چلتے چلتے ہی اور کبھی سواری میں بیٹھے بیٹھے دل ہی دل میں دعا شروع کر دیتا ہوں۔ اس وقت بھی مجھے محسوس ہوا کہ اللہ کی رحمت برس رہی ہے، دل میں خیال آیا کہ دعا کرنا چاہئے، اس لئے میں نے فوراً گفتگو کا سلسلہ منقطع کر کے دعا شروع کر دی۔ آپ کی مذکورہ دعا کی برکت سے اس عاجز کو قوی امید ہے کہ وہ قبولیت کی گھڑی ہوگی۔ اس وقت مانگی گئیں تمام دعائیں اللہ پاک ضرور قبول فرمائیں گے اور اپنے نیک بندہ کے طفیل اس سیہ کار کو محروم نہ فرمائیں گے۔

ناشتہ تاخیر سے کرنے کے باعث نماز کے بعد بھی مختلف موضوع پر گفتگو ہوتی رہی اور تقریباً چار بجے دوپہر کا کھانا آپ نے اپنے کمرہ میں لے جا کر کھلایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر کچھ

دیر آرام فرمایا پھر عصر کی نماز پڑھی، عصر کے بعد معمول کے مطابق کچھ احباب جن میں علمائے کرام بھی تھے مکان پر تشریف لے آئے جن کے سامنے آپ مختلف عنوانات کے تحت اصلاحی باتیں ارشاد فرماتے رہے یہ سلسلہ مغرب کی اذان سے کچھ قبل تک جاری رہا۔اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر مجلس والے کمرہ میں تشریف لائے۔ پھر عشاء کی اذان تک عمومی مجلس ہوئی مجلس کے اختتام پر خوب گریہ وزاری کے ساتھ دعا فرمائی۔ اسی روز آپ نے یہ بھی بتلایا کہ مجھے دو چند بزرگوں سے اجازت حاصل ہے لیکن میں نے کبھی کسی کو بیعت نہیں کیا اور ایک عرصہ تک اس بات کو مخفی رکھا۔ بالآخر جب لوگوں کو علم ہوا اور وہ اس غرض سے میرے پاس آنے لگے تو میں انہیں سختی سے منع کرتا اور قریب کے کسی بزرگ کی طرف رہنمائی کر دیتا لیکن جب لوگوں کا اصرار بڑھا اور انھوں نے اس کی شکایت میرے شیخ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم سے کی کہ شکیل کسی کو بیعت نہیں کرتا ہمیشہ دوسروں کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے تو کچھ لوگوں کو حضرت نے اپنے پیغام کے ساتھ بھیجا کہ شکیل سے میرا نام لے کر کہو کہ بیعت کی غرض سے آنے والوں کو لوٹایا نہ کرے بیعت کر لیا کرے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ دیکھو میاں! کوئی کسی کے پاس نہیں جاتا یہ اللہ پاک ہی بھیجتے ہیں لہٰذا جب کسی کو اللہ پاک بھیجیں تو انکار نہ کرو، چنانچہ حضرت کے حکم کے بعد میں نے بیعت کا سلسلہ شروع کیا۔

اس روز آپ نے اپنی زندگی کی بہت کچھ تفصیلات سے مجھے آگاہ کیا تھا جسے سن کر میرے دل میں آپ کے تئیں محبت وعقیدت، عظمت واحترام پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکا تھا۔ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی باتوں کا مجھ پر اس قدر اثر ہوتا کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری کے بعد گھر واپسی تک سارے راستے روتا ہوا جاتا، رہ رہ کر دل میں یہ خیال بشکلِ حسرت

پیدا ہوتا کہ اسی شہر میں رہنے کے باوجود میں کیونکر اب تک آپ کے فیضِ صحبت سے محروم رہا؟ کاش کہ چند سال پہلے آپ سے ملاقات ہوتی تو میری زندگی کے اتنے قیمتی سال ضائع ہونے سے بچ جاتے جو انتہائی غفلت بلکہ اپنے پیارے رب کی صریح نافرمانی میں گذر گئے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر صبر کر لیتا کہ جس چیز کے ملنے کا جو وقت طے ہوتا ہے وہ اس سے پہلے نہیں ملا کرتی، ساتھ ہی جذبۂ شکر بھی پیدا ہوتا کہ بالآخر میرے رب کی رحمت میری جانب متوجہ ہوئی اور اس کریم نے اپنے کرم سے مجھے آپ کی صحبت عنایت فرما کر غمِ حسرت کا مداوا کر دیا۔

میں اس روز اس ارادہ کے ساتھ گھر سے نکلا تھا کہ آج آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جاؤں گا، میرا یہ مقصود چونکہ اس وقت تک پورا نہیں ہوا تھا لہٰذا میں مجلس کے بعد عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر پھر دولت کدہ پر حاضر ہوا، دن بھر کی تکان کے باوجود آپ نے نہایت بشاشت کے ساتھ گھر میں بٹھایا اور رات کا کھانا بھی اپنے ساتھ کھلایا۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے بیعت کر لیں۔ آپ مسکرائے اور فرمایا ''ہاں تمہارا بیعت ہونا تو رہ ہی گیا آؤ بیعت ہو لو'' بالآخر شب چہار شنبہ بتاریخ ۳۰ر نومبر [illegible]ء بعد نماز عشاء تقریباً دس بجے وہ مبارک ساعت آ گئی جب حضرت نے اپنے متوسلین میں شامل فرما کر اس گنہ گار پر احسانِ عظیم فرمایا۔ یہاں سے باقاعدہ میرے اصلاحی سفر کا آغاز ہوا۔

جس وقت آپ سے میرا اصلاحی تعلق قائم ہوا ان دنوں میری کوئی خاص مشغولیت نہیں تھی لہٰذا پوری کوشش کرتا کہ زیادہ سے زیادہ وقت آپ کی خدمت میں گذاروں، اکثر ایسا ہوتا کہ پورا دن آپ کی صحبت میں رہنے کی پیشگی اجازت لے لیتا اور صبح ہی آپ کی

خدمت میں حاضر ہو جاتا اگر مجلس کا دن ہوتا تو آپ عموماً گھر ہی پر قیام فرماتے رات گئے تک مجھے آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملتا، اور اگر نجی کام سے کہیں تشریف لے جاتے تو یہ عاجز بھی آپ کے ہمراہ ہوتا۔

اس دوران جس یکسوئی کے ساتھ آپ کی خدمت میں رہنے اور سیکھنے کا موقع ملا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہوا جب یہ فرصت کے اوقات مشغولیت میں تبدیل ہو گئے اور خدمت میں حاضری کم سے کم ہونے لگی۔ اس دوران آپ کی خدمت میں رہ کر بکثرت آپ کے ارشادات سننے اور آپ کے اعمال و افعال، حرکات و سکنات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

اس عرصہ میں جہاں میں نے یہ دیکھا کہ آپ ہر عمل میں اتباع سنت کا اہتمام فرماتے ہیں اور یہ فکر ہوتی ہے کہ آپ کے یہاں آنے والے افراد بھی اتباع سنت کا التزام کریں، وہیں آپ کے ارشادات و فرمودات کو سن کر دل میں شدید تقاضہ پیدا ہوا کہ اگر ان قیمتی جواہر پاروں کو ضبطِ تحریر میں لا کر محفوظ کر لیا جائے تو اپنی ذات کے ساتھ ساتھ بہت سے افراد کی ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بن جائیں گے۔

کیونکہ بارہا آپ کی زبانی آپ کا یہ ارشاد سنا کہ بعض مرتبہ اللہ پاک عجیب مضمون ذہن میں ڈالتے ہیں جو پہلے کہیں پڑھا نہ سنا اور اس مضمون کی وضاحت کیلئے ایسی برونت مثالیں ذہن میں آتی ہیں جو دوبارہ سوچنے پر بھی یاد نہیں آتیں، اسی طرح دعا میں بھی بعض مرتبہ ایسے الفاظ زبان پر جاری ہوتے ہیں کہ میں خود حیران ہو جاتا ہوں کہ ان الفاظ کے ساتھ تو میں نے کبھی دعا نہیں مانگی۔ ایسا لگتا ہے کہ اللہ پاک آنے والے طالبین کی برکت سے اسی وقت ذہن میں ڈالتے ہیں اور پھر بھلا دیتے ہیں۔

چنانچہ آپ کے اس ارشاد اور اپنے دلی تقاضہ کے تحت آپ کے فرمودات کو یادداشت کے طور پر محفوظ کرنا شروع کر دیا تاکہ ان کے ذریعہ مجھے روحانی قوت کے علاوہ اتباع سنت پر استقامت کی تحریک ملتی رہے اور عدم حاضری کی صورت میں یہ ارشادات آپ کی صحبت کا بدل ثابت ہوں۔ بفضلہ تعالیٰ اس وقت سے لے کر تا حال یہ سلسلہ جاری ہے اور آئندہ کے لئے بھی دعا ہے کہ اللہ پاک عمل کی نیت سے لکھنے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ اس دوران آپ کے ارشادات پر مشتمل دو تین کاپیاں تیار ہو گئیں۔

جب اس کا علم کچھ بے تکلف دوستوں کو ہوا تو انہوں نے ان کاپیوں کو باقاعدہ کتابی شکل دینے پر بہت اصرار کیا جن میں خصوصیت کے ساتھ بھائی عبدالعزیز کا نام قابلِ ذکر ہے۔ جب دوستوں کے اصرار کا علم آپ کو ہوا تو آپ اس پر آمادہ نہ ہوئے اور بہت شدت سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بے پڑھا لکھا آدمی ہوں، مجھے اس سے بہت غیرت آتی ہے کہ میرے نام سے کوئی کتاب شائع کی جائے میری حیثیت ہی کیا کہ میرے ملفوظات قلمبند کئے جائیں میں اپنی اوقات خوب جانتا ہوں۔ لیکن ان ارشادات کے مضامین کی افادیت و نافعیت کو دیکھتے ہوئے دوستوں کا پیہم اصرار رہا کہ اگر یہ باتیں مطبوعہ صورت میں لوگوں تک پہنچ جائیں تو ان شاء اللہ ان کی ہدایت و اصلاح کا ذریعہ ہوں گی۔ چنانچہ باہم مشورہ کے بعد آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ان ارشادات کا ایک مسودہ حضرت اقدس مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں روانہ کر دیا جائے اگر حضرت نظرِ ثانی فرما کر طباعت کی اجازت مرحمت فرما دیں تو طبع کرایا جائے ورنہ اس ارادہ کو ملتوی کر دیا جائے آپ اس پر آمادہ ہو گئے۔

چنانچہ ۲۰۰ سو سے کچھ زائد ارشادات پر مشتمل ایک مسودہ حضرت اقدس کی خدمت میں روانہ کیا گیا، حضرت اقدس نے نہ صرف یہ کہ اس کو بالاستیعاب پڑھا بلکہ از خود اس کی طباعت کی تاکید بھی فرمائی اور اس مسودہ کا نام بھی تجویز فرمایا، نیز تقریظ کے عنوان سے نہایت پر اثر کلماتِ بابرکات تحریر فرما کر اس مسودہ کی طباعت کے فیصلہ کو مزید مؤکد کر دیا۔

یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اپنے اس بندہ کو جو سراپا گندہ ہے آپ کے ملفوظات جمع کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ عظیم خدمت، اب اللہ پاک ہی سے عاجزانہ التجا ہے کہ وہ اس سیہ کار کو ان ملفوظات پر عمل کرنے کی نیز نااہلیت کے باوجود اس خدمت کے لئے قبول کر لینے پر صحیح طریقہ سے شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس خدمت کو میری اور میرے اہلِ خانہ کی ہدایت و نجات کا ذریعہ بنا کر ہم سے راضی ہو جائے آمین بجاہ سید المرسلین۔

یہ عاجز کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں جملہ معاونین کا شکر گزار ہے خصوصاً بھائی عبدالعزیز کا نہایت مشکور وممنون ہے کہ انہی کی فکر، انہی کی ضد اور انہی کی کاوشوں سے یہ ملفوظات قارئین کے ہاتھوں تک پہنچے ہیں اللہ پاک انہیں اپنی شایانِ شان اس کا اجر عطا فرمائیں نیز حضرت مولانا صلاح الدین صاحب سیفی نقشبندی مدظلہ مجاز بیعت حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کا بھی تہہ دل سے ممنون ہے کہ آپ نے اپنے ذاتی شوق سے ہر ملفوظ کو عنوان سے مزین فرما کر جہاں اس کتاب کو حسنِ ترتیب سے آراستہ کیا وہیں اس سے استفادہ بھی قارئین کے لئے آسان کر دیا اللہ پاک اس کا آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے

آمین۔

یہ سیہ کار اللہ پاک کے احسانات کا شکر کس منہ سے ادا کرے بس اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ جو کچھ ہوا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہوا۔

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا ۔۔۔ ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے ۔۔۔ جو کچھ کہ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

محمد سہیل عفی عنہ

آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں

یاد رکھئے! مسلمان کی نیت بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی ہے لہٰذا اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے یہ نیت ضرور کر لیں کہ میں اس کتاب کو اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ اللہ پاک مجھ سے راضی ہو جائیں اور اس کتاب میں جو دین کی بات میں پڑھوں گا انشاء اللہ اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ اگر اس نیت سے آپ پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو عمل کی توفیق ضرور عطا فرمائیں گے۔ جس بات پر عمل کرنا مشکل ہوگا آپ کی سچی نیت اور پکے ارادہ کی برکت سے اللہ پاک اس پر عمل کرنا آپ کے لئے آسان فرما دیں گے اور جتنا وقت اس کتاب کو پڑھنے پر لگے گا وہ دین بنتا جائے گا اور عبادت میں شمار ہوگا۔

کچھ گزارشات

۱۔ کتاب پڑھنے سے قبل یہ دعا ضرور کر لیں کہ یا اللہ اس کتاب کو میری ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔

۲۔ دوسری اہم گذارش یہ ہے کہ کتاب پڑھنے سے پہلے دل، دماغ اور آنکھوں کو کھول لیجئے۔

۳۔ کتاب پڑھنے کیلئے وقت ایسا نکالا جائے جو الجھنوں یا پریشانیوں سے گھرا ہوا نہ ہو، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ الجھن ذہن پر سوار تھی کسی اور وجہ سے اور چبھن محسوس ہوتی ہے کتاب کے مضمون سے۔

۴۔ کتاب پڑھنے سے پہلے توبہ استغفار ضرور کرلیں تاکہ دل پر جو گناہوں کا غبار چھایا ہوا ہے وہ چھٹ جائے۔

۵۔ مزید یہ کہ کتاب کے مطالعہ کے وقت ایک قلم ساتھ رکھیں اور جن امور میں خود کو کوتاہ محسوس کرتے ہوں ان پر نشان لگادیں اور ان کو بار بار پڑھیں اور ان کی اصلاح کے لئے خوب دعائیں بھی مانگیں اور کوشش بھی کریں۔

۶۔ اس کتاب کو پڑھنے کی دوسرے مسلمانوں کو بھی دعوت دیں اور اس کتاب میں جو ایمانی ترقی اور اخلاقی بہتری اور صفاتِ اولیاء سے متعلق کوئی بات ملے تو انہیں اپنانے کے ساتھ ساتھ ان خوبیوں اور صفات کی طرف دوسرے افراد کو بھی متوجہ کریں۔

۷۔ آخر میں گذارش ہے کہ صاحبِ ملفوظات، مرتب یا اس کتاب کی تیاری کے مختلف مراحل میں کسی بھی طرح شریک ہونے والے معاونین کیلئے خصوصی طور پر دعاؤں کا اہتمام کریں۔

ایک اہم گزارش

ہر مسلمان سے اور خصوصاً اہلِ علم حضرات سے گذارش ہے کہ دورانِ مطالعہ اس

کتاب کی جمع و ترتیب میں کسی قسم کی کوئی غلطی یا کوتاہی نظر آئے یا مزید بہتری کی کوئی صورت سامنے آئے تو بندہ کو اس کی ضرور اطلاع دیں، یہ آپ کا بندہ پر احسانِ عظیم ہوگا۔

جانے والا موت کی یاد دلاگیا

پنویل کی جامع مسجد کے امام صاحب کے والد کے انتقال کے بعد متصلاً آنے والے جمعہ میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ ابھی چند روز پہلے کی بات ہے کہ امام صاحب کے والد بزرگوار ہمارے درمیان میں موجود تھے، یہیں منبر کے قریب نماز پڑھتے اور وہیں بیٹھ کر میرا بیان سنتے تھے، پچھلے بیان میں وہ موجود تھے آج کے بیان میں وہ موجود نہیں ہیں، ان کی خالی جگہ کو دیکھ کر دل بھر آیا، آنکھ میں آنسو آگئے (یہ کہتے ہوئے آپ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور آپ عینک نکال کر آنسو پونچھنے لگے) مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ گذشتہ جمعہ میں بیان کے بعد دعا میں خوب توبہ ہوئی تھی اور توبہ کے کلمات بار بار دہرائے گئے تھے، میں نے اس موقع پر خوب اچھی طرح محسوس کیا تھا کہ بڑے میاں دعا میں خوب رو رہے ہیں، ہچکیاں لے رہے ہیں۔ مجھے اسی وقت خیال ہوا تھا کہ بڑے میاں کس قدر زار و قطار رو رہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ اس وقت یقین اللہ پاک ان کے بڑھاپے پر رحم فرمائے گا اور ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اگر

اس وقت ان کا انتقال بھی ہوجائے تو وہ سیدھے اللہ کے دربار میں پہونچیں گے۔

دوستو! ان کا فیصلہ تو ہوچکا ہوگا اور اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ اس توبہ کی برکت سے جنت میں ٹہل رہے ہوں گے۔ لیکن ہمارا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔ ہمیں ابھی موت کے مرحلہ سے گذرنا ہے۔ دنیا سے جانے والا ہر شخص ہمیں اپنی موت کی یاد دلاتا ہے اور ہمیں یہ پیغام دے جاتا ہے کہ او غافل انسانو! ایک وقت تھا کہ میں تمہارے درمیان ہنستا کھیلتا موجود تھا، موت سے غافل ہوکر زندگی گذار رہا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ ابھی ایک لمبا عرصہ اس دنیا میں رہنا ہے، روزانہ دنیوی لائن سے نئی اسکیمیں اور نئے منصوبے ترتیب دیتا تھا، ہر روز دنیاوی ترقی کے سلسلہ سے ایک نیا جذبہ اور ایک نئی امنگ لے کر بیدار ہوتا۔ لیکن افسوس کہ اس دوران مجھے ایک مرتبہ بھی اپنی موت یاد نہ آئی کہ مجھے مرنا بھی ہے، میں مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے کوئی منصوبہ اور لائحہ عمل تیار نہ کرسکا۔ اچانک موت نے آکر مجھے دبوچ لیا اور مجھے ایک جہاں سے دوسرے جہاں میں منتقل کردیا، میری ساری اسکیمیں اور منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ آج مجھے حسرت وافسوس ہے کہ میں اپنی زندگی کی قدر نہ کرسکا اور دنیا کی حقیقت پہچان نہ سکا کہ یہ دنیا میرے لئے ایک امتحان گاہ تھی، افسوس کہ میں تا زندگی اسے تفریح گاہ سمجھتا رہا۔ آج جب یہ حقیقت کھلی تو اس وقت میرے پاس سوائے افسوس اور حسرت کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ میرا تمہارے درمیان سے اس طرح اچانک چلے جانا تمہارے لئے عبرت کا پیغام ہے۔

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی

او غافل انسانو! میری موت سے عبرت حاصل کرو کہ جس طرح میں اپنی فانی قیام گاہ

سے نکل کر اپنی ابدی قیام گاہ کو پہنچ چکا ہوں اسی طرح تمہیں بھی ایک دن اپنے اصلی اور ابدی ٹھکانہ کی طرف لوٹنا ہے۔ خدارا اپنے مقصد زندگی کو پہچانو اور غفلت کی زندگی کو چھوڑ کر کچھ اپنے لئے ذخیرۂ آخرت کرلو، موت کسی بھی لمحہ آکر دبوچ سکتی ہے اس وقت عمل کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سے ملک الموت کی ملاقات اس حال میں ہو کہ تم اپنے مقصدِ حیات سے غافل ہوکر دنیا کی فانی لذتوں میں مشغول ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا! حسرت وافسوس ہی تمہارا مقدر ہوگا اور یہ حسرت وافسوس یہاں تمہیں کچھ کام نہ دے گا۔

میرے دوستو! دنیا سے جانے والا ہر شخص باقی لوگوں کو یہی پیغام دے کر جاتا ہے۔ حضرت امام صاحب کے والد بزرگوار بھی ہمیں یہی پیغام دے کر گئے ہیں۔ کیا اس پیغام کو سن کر بھی ہم اپنی غفلت والی زندگی کو تبدیل کرکے ایک بامقصد زندگی گذارنے کی کوشش نہیں کریں گے؟ اگر اس طرح کے پیغامات مسلسل سننے کے باوجود بھی ہم اپنی روش پر قائم رہے اور ہم پر اپنی زندگی کو تبدیل کرنے کی کوئی فکر سوار نہ ہوئی تو شاید ہم سے بڑا بے وقوف آدمی کوئی نہ ہوگا۔ کسی انسان کی موت باقی ماندہ لوگوں کے لئے بہت بڑی نصیحت اور عبرت ہوتی ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: **کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا** کہ اے عمر! نصیحت کے لئے موت ہی کافی ہے۔

دل کس سے سیاہ ہوتا ہے؟

ارشاد فرمایا: کہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ سے توبہ نہیں کرتا اور دوسرا گناہ کرتا ہے تو پھر دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے اور جب تیسرا گناہ کرتا ہے تو تیسرا نقطہ لگ جاتا ہے۔

اس طرح مسلسل گناہ کرتے رہنے سے قلب پر سیاہ نقطے لگتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کا سارا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے اندر سے حرام وحلال کی، بھلے اور برے کی تمیز ختم ہوجاتی ہے، گناہ کرتا رہتا ہے لیکن اسے گناہ کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ لیکن یاد رکھو! کہ ہر گناہ کا نقطہ ایک سا نہیں ہوتا اسی طرح ہر گناہ کی ظلمت بھی ایک سی نہیں ہوتی بلکہ جس درجہ کا گناہ ہوتا ہے اسی درجہ کا نقطہ اور اسی کے بقدر ظلمت قلب میں جمع ہوتی ہے۔

گناہ کے نقصانات

(۱) آدمی جب غیبت کرتا ہے تو وہ شخص جس کی غیبت کی گئی ہے معاف بھی کردے تو اس کے معاف کردینے سے گناہ تو معاف ہوجائے گا لیکن اس گناہ کے سبب قلب میں جو ظلمت آئی تھی وہ باقی رہتی ہے اور سابقہ نیکیوں کے انوارات کو ختم کردیتی ہے اور خدا تک پہنچنے نہیں دیتی۔

(۲) حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر معافی مانگتا ہے تو معافی مانگ لینے سے وہ گناہ تو معاف ہوجاتا ہے لیکن اس گناہ سے پہلے جو اس نے نیکیاں کی تھیں اور اس کے جو انوارات قلب میں جمع ہوئے تھے وہ رخصت ہوجاتے ہیں، وہ انوارات صرف توبہ کرلینے سے واپس نہیں آجاتے۔

فکر کی چیز

اور حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ (پونہ والے) نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جس طرح میکانک کے کپڑوں پر الگ الگ دھبے ہوتے ہیں، کوئی دھبہ چھوٹا ہوتا ہے کوئی

بڑا ہوتا ہے، کوئی ہلکا ہوتا ہے کوئی گہرا ہوتا ہے، اسی طرح مختلف گناہوں کے مختلف نقطے اور دھبے قلب پر لگتے ہیں۔ میکانک کے کپڑوں پر لگے بعض دھبے دھونے سے دھل جاتے ہیں لیکن بعض دھبے ایسے ہوتے ہیں کہ کپڑا اپھٹ جاتا ہے لیکن وہ دھبے نہیں دھلتے۔ اسی طرح بعض گناہوں کی ظلمت تو ایسی ہوتی ہے جو جلدی قلب سے نکل جاتی ہے اور قلب پاک وصاف ہوجاتا ہے لیکن بعض گناہوں کی ظلمت قلب پر ایسی لگتی ہے کہ جلدی ختم نہیں ہوتی بہت دیر تک باقی رہتی ہے۔

عافیت کا سوال

ایک روز آپ نے اپنے شیخ حضرت اقدس مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم سے ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگوں سے فرمایا: کہ میں چاہ رہا تھا کہ حضرت سے عافیت کی دعا کراؤں لیکن ابھی کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ حضرت نے خود ہی عافیت کی دعا دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ عافیت بہت اہم چیز ہے اسے اللہ پاک سے مانگنا چاہئے۔ میرے شیخ اول عارف باللہ حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی اپنے بمبئی کے آخری سفر سے پہلے والے سفر میں دوستوں کو اس کی بڑی تاکید کی تھی کہ اللہ سے عافیت کا خوب سوال کیا کرو۔

دعا کا اہتمام

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ دعا کا بہت اہتمام کرنا چاہئے، فرصت کے اوقات میں خوب طویل دعائیں مانگنی چاہئیں، رو کر گڑگڑا کر نہایت عاجزی اور تذلل کے ساتھ دعا کرنا چاہئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنی صحت اور تندرستی کے زمانہ میں

مصلیٰ پر بیٹھ کر گھنٹوں دعائیں کیا کرتا تھا، اپنے نیچے دو مصلیٰ بچھالیتا تاکہ زیادہ دیر بہ آسانی بیٹھ سکوں، خوب طویل دعائیں مانگتا اور اس میں خوب آہ وزاری کرتا۔ میرا چھوٹا لڑکا بلال جو اس وقت بہت چھوٹا تھا مجھے دعاؤں میں اس طرح روتا گڑگڑاتا دیکھ کر اپنی ماں سے پوچھتا کہ بابا کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اتنا روتے گڑگڑاتے ہیں۔ لیکن آجکل عموماً لوگ طویل دعا تو کیا مانگتے دعا ہی کا اہتمام نہیں کرتے۔ پوچھو تو کہتے ہیں کہ جی ہمارے پاس دعا مانگنے کا ٹائم نہیں ہے۔ حالانکہ اپنے دوسرے سارے کاموں کے لئے ٹائم نکال لیتے ہیں لیکن دعا مانگنے کے لئے انہیں وقت نہیں ملتا۔ روزانہ بیوپاری کے پاس وقت نکال کر پیمنٹ لینے کے لئے جاتے ہیں حالانکہ پیمنٹ روزانہ نہیں ملتا کبھی کسی دن ناغہ بھی ہوجاتا ہے اور بعض مرتبہ کئی کئی دن نہیں ملتا اس کے باوجود پابندی کے ساتھ روزانہ پیمنٹ لینے جاتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم روزانہ کیوں جاتے ہو؟ تو کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر نکلتا ہے۔ پھر اگر ان سے پوچھیں کہ تم اتنی پابندی سے کیوں جاتے ہو جبکہ تمہارا بیوپاری کبھی کبھی پیمنٹ کا ناغہ بھی کردیتا ہے پھر تم کیوں کسی دن جانے کا ناغہ نہیں کرتے؟ تو کہتے ہیں کہ وہ پیمنٹ دے یا نہ دے لیکن ہمارا کام تو جانا ہے اس لئے ہم جاتے ہیں۔

ایک نکتہ کی بات

دوستو! بیوپاری پر ہمارا نکلتا ہے اور اس کے پیمنٹ (Payment) نہ دینے کا بھی امکان رہتا ہے اس کے باوجود ہم پابندی کے ساتھ روزانہ اس کے پاس جاتے ہیں لیکن اللہ پر تو ہمارا کچھ نہیں نکلتا اور وہ مانگنے والوں کے ضرور دیا بھی کرتے ہیں، کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے، خود ہی کہتے ہیں کہ مجھ سے مانگو میں دوں گا پھر بھی ہم ان سے نہیں مانگتے۔

دوستو! کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہمیں مانگنے کی توفیق اس لئے نہیں ملتی کہ ہمیں اللہ پاک دینا ہی نہیں چاہتے۔ کیوں کہ ہمارے شیخ حضرت مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اگر اللہ پاک دینا نہ چاہتے تو مانگنے کی توفیق نہ دیتے یعنی اگر مانگنے کی توفیق دے رکھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دینا چاہتے ہیں، اگر دینا نہ چاہتے تو مانگنے کی توفیق ہی سلب کرلیتے۔

ڈرنے کی بات

ہمارے یہاں لوگوں کو اورادِ مومن اسی لئے تقسیم کی گئی تھی کہ مناجاتِ مقبول میں سے دعا کی ایک منزل روزانہ مانگ لیا کرے لیکن اگر لے جانے والوں سے پوچھا جائے کہ مناجاتِ مقبول روزانہ پڑھتے ہو؟ تو وقت نہ ہونے کا بہانہ کرتے ہیں۔ میاں! وقت نہ ہونے کا بہانہ مت کرو اللہ پاک دینا ہی نہیں چاہتے اسی لئے مانگنے سے محروم کررکھا ہے۔

یقین کا پتہ کیسے چلے؟

آج بھی ایسے لوگ ہیں جو نہ صرف دعاؤں کا بلکہ خوب لمبی لمبی دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ پاک سے اپنے سارے مسائل دعاؤں کے ذریعہ حل کرالیتے ہیں۔ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ مسلسل چار گھنٹے تک دعا مانگتے رہے، ان کا اکثر معمول ہے کہ اگر مغرب اور عشاء کے درمیان کوئی ملنے والا نہ آئے تو سارا وقت دعاؤں میں مصروف رہتے ہیں۔ ایک روز مجھ سے فرمایا کہ میاں شکیل! اب ہمارا کوئی مسئلہ مسئلہ نہ

رہا، سارے مسئلے دعا سے حل ہو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے یہ بزرگ بھی ان میں تشریف فرما تھے میں بھی موجود تھا۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ مکہ مکرمہ سے واپسی کے وقت اگر قرآن مجید کی آیت اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ انگلی سے بیت اللہ شریف پر لکھی جائے تو اللہ پاک دوبارہ ضرور بلاتے ہیں۔ یہ سن کر مذکورہ بزرگ نے فرمایا کہ میاں! میں تو کبھی نہیں لکھتا بس دعا ہی کرتا ہوں، اسی کی برکت سے اللہ پاک مجھے ہر سال بلا لیتے ہیں۔ دیکھئے! انہیں کس قدر اللہ کی ذات پر یقین اور اعتماد حاصل تھا کہ اب ان کے نزدیک کوئی مسئلہ مسئلہ نہیں رہا تھا، وہ اپنے سارے مسائل اللہ پاک سے دعا کے ذریعہ حل کرا لیا کرتے تھے۔ ہمارا یقین چونکہ اللہ کی ذات پر کمزور ہے اسی لئے ہم دعاؤں کا اہتمام نہیں کرتے کیوں کہ یقین کا پتہ تو درحقیقت عمل سے چلتا ہے۔ جسے جس قدر اللہ کے وعدوں پر یقین ہوگا اسی قدر اعمال کی پختگی سے اس کا ثبوت ملے گا۔

نیت کا فرق

ارشاد فرمایا: کہ ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کنویں سے پانی نکال کر اپنے بدن پر خوب بہا رہے تھے۔ کوئی بے تکلف وہاں سے گذرا تو کہنے لگا کہ حضرت! کیا یہ اسراف نہیں ہے؟ فرمایا تم بہاؤ تو اسراف ہے اور میں بہاؤں تو اسراف نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم بغیر نیت کے بہاؤ گے اور میں نیت کر کے بہا رہا ہوں۔ کہنے لگے پانی بہانے میں آپ کی کیا نیت ہے؟ فرمایا کہ گرمی کی وجہ سے بدن پر بہت پسینہ ہے، طبیعت میں انشراح بھی نہیں ہے اور ابھی مجھے حدیث پاک پڑھانے جانا ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ بدن پر خوب

پانی بہالوں تاکہ طبیعت میں انشراح ہو جائے اور بشاشت کے ساتھ حدیث پاک پڑھا سکوں اس لئے بدن پر خوب پانی بہا رہا ہوں۔ دیکھئے! کس طرح نیت کی تبدیلی کی بناء پر ایک عمل جو اسراف میں داخل تھا اجر کا باعث بن گیا۔

یہ واقعہ نقل فرما کر آپ نے فرمایا کہ جب میں دو منزلہ بس میں سفر کرتا ہوں تو اوپر کی منزل پر چلا جاتا ہوں اور بالکل اگلی سیٹ پر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوں، پھر عطر لگاتا ہوں تا کہ عطر ہوا میں تحلیل ہو کر پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں تک پھیلے اور انہیں فرحت اور انبساط محسوس ہو۔

اس کے علاوہ اس میں ایک نیت یہ بھی ہوتی ہے کہ مسافرین میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ضعیف ہوتے ہیں، عورتیں ہوتی ہیں، معذور ہوتے ہیں۔ میں یہ سوچ کر نیچے نہیں بیٹھتا کہ ایسے مسافرین کو نیچے جگہ مل جائے اور وہ اوپر چڑھنے کی زحمت سے بچ جائیں۔ اس لئے کہ اگر میں نیچے بیٹھ گیا اور بس میں بھیڑ ہوئی تو پھر ایسے مسافر کو یا تو کھڑے رہ کر سفر کرنا ہوگا یا پھر زحمت اٹھا کر اوپر چڑھنا پڑے گا جس میں اسے بڑی دقت ہوگی اس لئے میں خود اوپر چلا جاتا ہوں تا کہ اسے زحمت سے بچا سکوں۔

علاوہ ازیں توفیقِ الٰہی سے یہ نیت بھی کر لیتا ہوں کہ نیچے بیٹھنے کی بہ نسبت اوپر بیٹھنے میں دھول مٹی اور دھوئیں سے کم سابقہ پڑے گا جس کی وجہ سے کپڑے کم میلے ہوں گے، ان کپڑوں کو دھونے میں گھر والوں کو مشقت کم ہوگی، انہیں راحت پہنچانے کی غرض سے اوپر بیٹھ جاتا ہوں۔ اس کے علاوہ دھوئیں سے بچنے میں صحت کی بھی حفاظت ہوگی تو اس میں حفاظتِ جسم اور صحت کی بھی نیت کر لیتا ہوں کہ بوجہ امانت ہونے کے اس جسم کی حفاظت ہمارے ذمہ ضروری ہے۔

اس طرح جب ہم ہر عمل میں نیتیں سوچیں گے تو ایک ایک عمل میں کئی کئی نیتیں کی جا سکتی ہیں اور ہر نیت پر مستقل اجر و ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن نیتوں کا اہتمام کرے کون؟ اس لئے کہ ہم صحیح معنوں میں نیکیوں کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہی نہیں ہیں۔ اگر پہچانتے تو ہر عمل میں مختلف نیتوں کا اہتمام کر کے اپنا ذخیرۂ آخرت بڑھانے کی فکر میں لگے رہتے۔

ناقص اور کامل کا فرق

ارشاد فرمایا: کہ اصلاح کا باب ایک ایسا باب ہے کہ جس کی جس قدر اصلاح ہوتی جاتی ہے وہ اسی قدر خود کو ناقص اور بگڑا ہوا محسوس کرتا ہے اور جس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ اپنے آپ کو اتنا ہی کامل اور اچھا سمجھتا ہے۔

زندگی کیسے بدلے؟

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: کہ زندگی میں تبدیلی صرف بیان سن لینے سے یا صرف کتابیں پڑھ لینے سے نہیں آتی بلکہ زندگی میں تبدیلی تو عمل سے آتی ہے۔ اس لئے جب تک سنی ہوئی اور پڑھی ہوئی باتوں کو عملی زندگی میں داخل نہیں کیا جائے گا اس وقت تک زندگی میں کسی قسم کی دینی تبدیلی کا تصور محض خیالِ خام ہے۔ اپنے آپ کو عمل کے سانچے میں ڈھال لینے ہی سے زندگی میں تبدیلی آئے گی۔

باپ کی محبت اولاد سے

ایک روز آپ نے چنیوٹ کی جامع مسجد میں دورانِ وعظ مضمون کی مناسبت سے اپنے والد صاحب کا واقعہ نقل فرمایا کہ ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا کہ ہمارے والد صاحب (اللہ پاک انہیں غریقِ رحمت فرمائیں) جب گھر کے آنگن میں ناشتہ کرنے کے

لئے بیٹھتے تو مجھے اور مجھ سے چھوٹے دو بھائیوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیتے۔ ہماری والدہ انہیں ناشتہ میں انڈا فرائی کر کے دیتیں۔ والد صاحب مرحوم کی عادت تھی کہ وہ اپنے انڈے میں سے ہمیں کھلاتے رہتے۔ پہلے مجھے کھلاتے پھر مجھ سے چھوٹے کو کھلاتے پھر اس سے چھوٹے کے منہ میں لقمہ رکھتے۔ والدہ صاحبہ ہر چند انہیں منع کرتیں کہ آپ اطمینان سے کھالیں میں ان کے لئے بھی بنا رہی ہوں لیکن والد صاحب نہیں مانتے اور اسی میں سے ہمیں کھلاتے رہتے اور یوں کہتے کہ بچوں کا کھایا باپ ہی کے پیٹ کے میں جاتا ہے۔ مجھے اس وقت والد صاحب کی یہ بات سن کر بڑی حیرانی ہوتی کہ ہمارا کھایا ہوا ابا کے پیٹ میں کیسے چلا جاتا ہے؟ لیکن جب ہمارے بچے ہوئے اور ہم نے انہیں کھلایا تو اس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ باپ کا کھایا ہوا بچوں کے پیٹ میں کیسے جاتا ہے۔

دوستو! بچوں کا کھایا ہوا درحقیقت باپ کے پیٹ میں نہیں جاتا اور نہ بچوں کے کھانے سے باپ کا پیٹ بھرتا ہے لیکن چونکہ اسے اپنے بچوں سے الفت اور محبت کا تعلق ہوتا ہے تو اس تعلق کی بناء پر اسے اپنے بچوں کے کھانے سے خوشی محسوس ہوتی ہے۔

نبی ﷺ کی امت سے محبت

میرے دوستو! خدا کی قسم کوئی باپ اپنے بچہ سے اتنی محبت نہیں کر سکتا اور نہ اسے اپنے بچہ سے اتنا تعلق ہو سکتا ہے جتنی محبت اور جتنا تعلق حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ایک ایک امتی سے تھا، امتی کی ادنیٰ تکلیف بھی آپ کو گوارہ نہ تھی بلکہ آپ نے اپنے ہر عمل میں امتیوں کی راحت کا پورا پورا خیال رکھا۔ دیکھئے! آپ ﷺ کی سنتوں

میں ایک سنت یہ ہے کہ جب آپ بستر پر آرام کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تو اسے تین مرتبہ جھاڑ لیتے ،اسی طرح جب جوتا پہنتے تو اسے بھی پلٹ کر جھٹک لیتے ،اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معمول یہ تھا کہ جب آپ کا کپڑا پھٹ جاتا تو آپ اسے پہنے ہوئے نہ سیتے بلکہ سینے سے قبل اپنے بدنِ مبارک سے اتار لیتے ،اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کو ایک ہدایت یہ بھی دی کہ رات کے وقت اپنے برتنوں کو کھلا نہ چھوڑو بلکہ انہیں ڈھانک دو،اور اگر برتن خالی ہوں تو انہیں پلٹ کر رکھ دو۔کیونکہ سال بھر میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں ایسی ہوا چلتی ہے کہ اگر وہ ہوا کسی کھلے برتن میں داخل ہوجائے اور وہ برتن بغیر دھلے استعمال کیا جائے تو ایک ایسی بیماری لاحق ہوجاتی ہے جو لاعلاج ہوتی ہے۔

دوستو!غور کریں کہ آقا کے یہ معمولات کیوں تھے؟اور آپ نے اپنے امتیوں کو یہ ہدایات کیوں دیں؟معاذ اللہ آپ کا کوئی عمل یا آپ کی کوئی ہدایت بے جا یا بلا وجہ تو نہ تھی کہ آپ نے کوئی ایسی بات ارشاد فرمائی ہو یا کوئی ایسا عمل اختیار فرمایا ہو یا کوئی ایسی ہدایت جاری کی ہو جس کی امت کو ضرورت نہ ہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات، ہر عمل اور ہر ہدایت آپ کے امتیوں کے لئے زندگی گذارنے کا ایک ضابطہ اور ایک دستور تھا جس میں سراسر انہیں کے لئے آسانی ،راحت اور عافیت مضمر تھی۔ ان ہدایات واعمال کے ذریعہ آپ نے اپنے امتیوں کو یہ تعلیم دی کہ سونے سے قبل تم بھی اپنے بستر کو تین مرتبہ جھاڑ لیا کرو،اسی طرح جوتا پہننے سے پہلے اسے پلٹ کر جھٹک لیا کرو،اسی طرح اگر کبھی تمہارا کپڑا پھٹ جائے تو اسے پہن کر مت سیو،اسی طرح رات کے وقت اپنے برتنوں کو ڈھانک دیا کرو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے بستر یا تمہارے جوتے میں کوئی

کیڑا یا کوئی چیونٹی پہلے سے موجود ہو اور وہ تمہیں کاٹ لے یا کوئی باریک کنکر اس میں پڑا ہو جو تمہیں نظر نہ آئے اور وہ تمہیں چبھ جائے۔یا کپڑا پہن کر سینے کی حالت میں سوئی تمہارے بدن میں چبھ جائے، یا بے خیالی میں تم اپنا برتن کھلا چھوڑ دو اور وہ ہوا اس میں داخل ہوکر تمہارے لئے لاعلاج بیماری کا سبب بن جائے۔غور کریں کہ یہ ہوا روزانہ نہیں چلتی بلکہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ چلتی ہے لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے بھی حفاظت کا طریقہ بتا رہے ہیں۔

ایک اہم نکتہ

دوستو!جس نبی کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ اس کے کسی امتی کو چیونٹی کاٹ لے یا کوئی معمولی کنکر اور سوئی چبھ جائے اس نبی کو یہ کب گوارہ ہوسکتا ہے کہ ان کا کوئی امتی جہنم میں چلا جائے؟لیکن ہم ہیں کہ مسلسل ان کی نافرمانیاں کر رہے ہیں اور ان کے طریقہ سے ہٹ کر زندگی گذار رہے ہیں اور خود ہی اپنے لئے جہنم کا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ہفتہ میں دو دن امتیوں کے اعمال نامے حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھلائے جاتے ہیں۔اگر اعمال نامہ میں اچھے کام لکھے ہوتے ہیں،خیر کے کام درج ہوتے ہیں تو اسے دیکھ کر آپ خوش ہوتے ہیں۔اور اگر اس میں بداعمالیاں اور نافرمانیاں لکھی ہوتی ہیں تو اس سے آپ کو رنج اور تکلیف پہنچتی ہے۔

دوستو!غور تو کریں کہ جس ذات کو ہمارا اتنا خیال تھا کہ وہ ہمیں چیونٹی کے کاٹ لینے، کنکر اور سوئی کے چبھ جانے یا کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہونے سے بچنے کا طریقہ بتلا رہے ہیں اور جنہیں ہماری ادنیٰ تکلیف بھی گوارہ نہیں تھی آج ہم ان کا کتنا خیال رکھ رہے

ہیں؟ ہم انہیں راحت تو کیا پہنچاتے ہفتہ میں دو دن اپنی بد عمالیاں انہیں دکھلا کر تکلیف پہنچاتے ہیں۔ کفارِ مکہ نے تو دشمن ہو کر صرف ۲۳ سال تک آپ کو ستایا تھا اور ہم آپ کے نام لیوا ہو کر اور آپ کی محبت کا دم بھر کر ساری زندگی آپ کی نافرمانیاں کر کے آپ کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ہماری ان بد عمالیوں کو دیکھ کر آقا اپنی قبرِ اطہر میں کیسے تڑپ جاتے ہوں گے اور آپ کو کیسی تکلیف پہنچتی ہوگی کہ یہی میرے امتی ہیں جن کے لئے میں نے راتوں کی نیند اور دن کا چین قربان کر دیا، تمام تر تکلیفیں برداشت کیں، رات رات بھر ان کے لئے خدا کے سامنے روتا گڑگڑاتا رہا کہ کسی طرح یہ جہنم سے بچ جائیں لیکن یہ خود بداعمالیوں میں مبتلا ہو کر اپنے لئے جہنم کا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

ذرا سوچیں! جب یہ بغیر داڑھی والا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا جاتا ہوگا کہ حضور! یہ آپ کا فلاں امتی ہے جسے آپ کا چہرہ اچھا نہیں لگتا تو آپ ہی بتایئے کہ آقا اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہوں گے یا غمزدہ ہو جاتے ہوں گے؟ جس شخص کی بداعمالیوں کی وجہ سے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبرِ اطہر میں بے چین ہو جائیں، غمزدہ ہو جائیں اور انہیں تکلیف پہنچے تو پھر اس شخص پر اللہ پاک کس قدر غضبناک ہوں گے اس کا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے؟

دوسرا اہم نکتہ

جب کسی ولی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے پر خدا کی جانب سے اعلانِ جنگ ہو جاتا ہے تو پھر آقائے نامدار، حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جو صرف نبی ہی نہیں بلکہ امام الانبیاء اور خاتم الرسل ہیں اور خدا کے نزدیک تمام انبیاء میں سب سے زیادہ محبوب اور مقرب

ہیں انہیں تکلیف پہنچانے والے کے لئے خدا کا کیسا اعلانِ جنگ ہوگا؟ کاش! کہ ہم عقل کے ناخن لیتے اور غور کرتے کہ ہماری بداعمالیوں سے صرف ہمارا ہی نقصان نہیں ہو رہا ہے بلکہ ان کی وجہ سے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ اپنی قبرِ اطہر میں بے چین ہو رہے ہیں۔

دوستو! کم از کم یہی سوچ کر اب خدا کی نافرمانی والا راستہ چھوڑ دیں، اب تک جو ہو چکا اس پر سچے دل سے ندامت کے آنسوؤں کے ساتھ معافی مانگ لیں کہ یا اللہ! اب تک ہم نافرمانیوں اور بداعمالیوں ساتھ آپ کی بغاوت کرتے رہے، ہم نے آپ کے حبیب کو قبرِ اطہر میں چین سے سونے نہیں دیا۔ آج ہم سچے دل سے توبہ کرتے ہیں کہ چہرہ پر سنت کو سجائیں گے، اپنی زندگی کو سنتوں سے آراستہ کریں گے، آپ کی ہر قسم کی نافرمانی سے بچیں گے، اب تک بداعمالیوں کے ذریعہ جتنی تکلیف ہم نے آپ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی ہے اس سے کہیں زیادہ طاعت وعبادت اور اتباعِ سنت وشریعت کے ذریعہ انہیں راحت پہنچائیں گے تاکہ کل جب ہم میدانِ محشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوں تو ہمیں شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے بلکہ آقا ہمیں دیکھ کر خوش ہو جائیں اور آپ کے حضور ہماری سفارش کریں کہ یا اللہ! اس نے دنیا میں مجھ جیسی صورت بنائی تھی، میرے طریقہ کو اپنایا تھا اور زندگی کے ہر موڑ پر میرے طریقہ کے موافق عمل کیا تھا۔ اس نے دنیا میں میرے طریقہ کو اپنا طریقہ بنایا تھا آج میں اسے اپنا بناتا ہوں، آپ بھی اسے اپنا بنا لیجئے اور اس سے راضی ہو جایئے۔

دوستو! اس وقت کی نفسانفسی میں اللہ پاک جسے اپنا بنا لیں اس کی خوشی کا کیا ٹھکانہ

ہوگا؟ اللہ کرے کہ ہم ہر قسم کی بدعملی چھوڑ کر سنتوں سے آراستہ زندگی گذارنے والے بن جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ ہماری طبیعتوں میں ایسا رچ بس جائے کہ پھر اس کے خلاف کوئی طریقہ ہمیں اچھا نہ لگے اور اتباع سنت کے بغیر ہمیں کسی کروٹ چین نہ آئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے کل قیامت میں ہمیں آپ کی رفاقت اور معیت حاصل ہوجائے اور آپ کے جھنڈے تلے کھڑے رہنا نصیب ہو آمین۔

دعاؤں کا اہتمام کیجئے

ایک روز پنویل میں نمازِ جمعہ کے لئے جاتے ہوئے آپ نے اس عاجز سے دریافت فرمایا کہ مولوی سہیل! جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوتے وقت دخولِ مسجد کی دعا کے علاوہ میں نے ایک دعا تمہیں اور بتلائی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ جی مجھے یاد ہے اور الحمدللہ پابندی سے پڑھتا بھی ہوں۔ پھر میں نے وہ پوری دعا آپ کو پڑھ کر سنائی۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اَوْجَہَ مَنْ تَوَجَّہَ اِلَیْکَ وَاَقْرَبَ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیْکَ وَاَفْضَلَ مَنْ سَئَلَکَ وَرَغِبَ اِلَیْکَ۔ دعا سن کر آپ نے فرمایا کہ یہ بڑی قیمتی دعا ہے اور اس کا مضمون بھی بہت عجیب ہے، اسے تو جمعہ کے علاوہ بھی جب کبھی یاد آجائے ضرور پڑھنا چاہئے۔

اس وقت تبلیغی جماعت کے کچھ ذمہ دار احباب بھی ساتھ تھے۔ آپ نے بطورِ خاص انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کل جماعت کے ہمارے ساتھی دعاؤں کے یاد کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کرتے۔ جب وقت لگا کر واپس آتے ہیں تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جماعت میں جاکر کتنی دعائیں یاد کیں؟ تو وقت کی تنگی کا عذر کرتے ہیں کہ ہمیں اجتماعی اعمال سے فرصت نہیں ملتی تھی اس لئے دعائیں یاد نہیں کرسکے۔ بالکل

غلط کہتے ہیں، تمام اجتماعی اعمال میں جڑنے کے بعد بھی انفرادی اعمال کا خوب موقع ملتا ہے۔ چونکہ اصول کے مطابق نہیں چلتے اور سیکھ کر نہیں جاتے کہ جماعت میں کس طرح وقت لگایا جائے اس لئے ایسی بہانے بازی کرتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے اکثر دعائیں جماعت میں چل پھر کر یاد کی ہیں۔ ایک مسجد سے دوسری مسجد جاتے ہوئے راستہ میں یاد کرتا ہوا جاتا تھا، بعض مرتبہ ایک دن میں چھ چھ سات سات دعائیں بھی یاد کی ہیں۔ مجھ جیسے بے پڑھے لکھے آدمی کے لئے ایک دن میں چھ سات دعائیں یاد کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن اب کہاں اس کی فکر کی جاتی ہے؟ باتوں سے فرصت ملے تو یاد بھی کریں۔

اسے بھی یاد رکھیے

پھر فرمایا کہ دعاؤں اور سنتوں کا اہتمام نہ کرنا حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق کی کمی کی علامت ہے۔ جس قدر تعلق قوی ہوگا اسی قدر دعاؤں اور سنتوں کا اہتمام زندگی میں ہوگا۔ خود حضرت تھانویؒ نے بھی فرمایا ہے کہ محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک عقلی محبت اور ایک طبعی محبت۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقلی محبت تو ہر مسلمان کو حاصل ہے لیکن وہ شدید طبعی محبت جو دوسری تمام محبتوں غالب آجائے اسے حاصل کرنے کے لئے کچھ عملی تدبیر کرنی پڑتی ہے۔ (افسوس کہ درمیان میں کسی کے بول پڑنے پر یہ ملفوظ ادھورا رہ گیا)

علم اہلِ علم سے حاصل کیجئے

پنویل کی جامع مسجد میں آپ کے ہفتہ واری بیانات سے الحمدللہ لوگوں میں دینی تبدیلیاں ظاہر ہورہی ہیں۔ حاضرین میں نوجوانوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے جن میں کچھ کالج کے اسٹوڈنس بھی ہوتے ہیں جو بڑی توجہ سے آپ کا بیان سنتے اور ملاقات پر

آپ سے کچھ نہ کچھ پوچھتے بھی رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک نوجوان نے بیان کے بعد آپ سے ملاقات پر عرض کیا کہ حضرت! میں ٹی وی پر دینی پروگرام دیکھ کرتا ہوں جس سے مجھے بہت دینی نالج ملتی ہے۔ آپ نے اسے بڑے پیار اور شفقت سے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ بیٹا! اسے قطعاً نہ دیکھنا، کہیں شراب اور دودھ بھی ایک برتن میں جمع ہو سکتے ہیں؟ جس ٹی وی سے اتنا حرام وجود میں آرہا ہو اور اتنی بے دینی پھیل رہی ہو اس ٹی وی سے دین کیسے حاصل کیا جائے گا؟ لہٰذا ٹی وی پر بالکل کوئی پروگرام نہ دیکھو۔ دین سیکھنے کے لئے دینی کتابیں موجود ہیں، اسے سکھانے کے لئے علماء موجود ہیں، دینی کتابیں پڑھ کر اور علماء سے ربط جوڑ کر دین کا علم حاصل کرو۔

ایک سوال کا جواب

ارشاد فرمایا: کہ لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں چلہ لگانے کا کیا فائدہ؟ اس سے کیا ہوتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ایک چلہ لگانے سے کم از کم اتنا تو ہو جاتا ہے کہ سر پر ٹوپی آجاتی ہے، چہرہ پر داڑھی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ اب اس داڑھی ٹوپی کے ساتھ وہ شخص سنیما ہال جانے سے رک جاتا ہے، راستہ میں کھڑے ہو کر ٹی وی دیکھنے سے رک جاتا ہے۔ خواہ وہ لوگوں کے طعنہ سے بچنے ہی کے لئے رکتا ہو لیکن رکتا ضرور ہے۔ لہٰذا دیکھئے کہ اس ایک چلہ سے اس کا ظاہر بن گیا اور ظاہری حلیہ بن جانے کا یہ فائدہ ہوا کہ اس سے ظاہر کے گناہ چھوٹ گئے۔ لیکن باطنی گناہ اب بھی باقی ہیں اور نفس اور شیطان مسلسل اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں جو اس سے باطنی گناہ کرا کے اس کا دل خراب کریں گے۔ لہٰذا اب چلہ لگانے کے

بعد اب باطنی گناہوں سے بچنے کے لئے اور دل کی اصلاح اور تزکیہ کے لئے کسی شیخ کی ضرورت پڑے گی۔ جب یہ کسی اللہ والے کے پاس جا کر اپنی باطنی بیماریاں بتلائے گا اور اپنے اندر کے امراض کھول کر بیان کرے گا تو وہ اسے ان امراض کے دور ہونے کا علاج اور تدبیر بتلائیں گے جس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ اس کی باطنی بیماریاں اور اس کے باطن کے گناہ بھی چھوٹ جائیں گے اور اس کا باطن سنور جائے گا۔

باطن کی اصلاح ایک انتہائی ضروری عمل

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ باطن کی اصلاح کی فکر بھی انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ مسلسل چالیس دن تک مسجد والے ماحول میں رہ کر اور تعلیم کے حلقوں میں بیٹھ کر جب اس شخص نے اعمال کی فضیلتیں سنیں تو اس کے دل میں اعمال کا شوق پیدا ہوگا اور چونکہ علم وذکر تبلیغی جماعت کے نمبروں میں ایک نہایت اہم نمبر ہے اور اس نے پورا چلہ علم اور اہل علم کی فضیلتیں سنی ہیں تو اب یہ اپنے مقام پر آکر علماء سے مسائل بھی معلوم کرے گا۔ لیکن جب یہ مسائل کی روشنی میں اور فضائل کے شوق کے ساتھ اعمال انجام دینے لگے گا تو نفس اور شیطان اسے چھوڑ کر نہیں چلے جائیں گے کہ اب تو یہ دعوت کے سارے اعمال میں جڑنے لگا ہے، گشتوں میں بھی جاتا ہے، تعلیم کے حلقوں میں بھی بیٹھتا ہے، مسجد وار جماعت کے مشوروں میں پابندی سے حاضر رہتا ہے، ڈھائی گھنٹے کی ترتیب پر بھی عمل پیرا ہے، علماء سے مسائل بھی معلوم کرتا رہتا ہے لہٰذا اب اسے نہیں بہکایا جاسکتا اور اس پر ہمارا بس نہیں چل سکتا۔ نہیں نہیں! بلکہ اس کے یہ دونوں دشمن اب اس کے اعمال کے اجر وثواب کو اور ان سے حاصل شدہ انوارات کو ایک دوسرے مخفی راستہ سے

ضائع کرنے کی کوشش کریں گے اور وہ مخفی راستہ ہوگا دل کا راستہ، کہ اب اسے دل کے گناہوں مثلاً بغض، حسد، کینہ، کبر، حرص، ریا، خود کو اچھا سمجھنا، دوسروں کو حقیر سمجھنا وغیرہ گناہوں میں مبتلا کرکے اس کے اعمال کے اجروثواب کو اور ان کی نورانیت کو ختم کرنے کی کوشش میں لگ جائیں گے۔ ان کا یہ عمل اتنا آہستہ اور تدریجاً ہوگا کہ آدمی کے ظاہری اعمال میں کوئی فرق بھی نہیں آئے گا اور ایک غیر محسوس طریقہ پر اس کے سارے اعمال حبط اور بے کار بھی ہوتے چلے جاویں گے۔ لہٰذا اعمال کے اجروثواب اور ان کے انوارات دل کے گناہوں کے راستہ سے ضائع نہ ہوں اس کے لئے کسی اللہ والے کی صحبت ضرور اختیار کرنی پڑے گی اور ان کے سامنے اپنے ان امراض کو کھول کر بیان بھی کرنا پڑے گا پھر ان کے تجویز کردہ علاج پر عمل کرنا پڑے گا تا کہ نیکیوں کے لٹنے کا یہ راستہ بھی بند ہو سکے۔

خسارے میں کون؟

اگر کوئی داعی میری ان باتوں سے اختلاف رکھتا ہو اور تعلیم اور تزکیہ کی اہمیت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے سارا زور صرف تبلیغ پر لگاتا ہو اور دین کے ان شعبوں کو غیر ضروری سمجھتا ہو اور ان شعبہ والوں کا کما حقہٗ اکرام نہ کرتا ہو تو وہ یقیناً بہت بڑے خسارے میں ہے اور دین کی حقیقت سے بالکل ناآشنا اور نابلد ہے۔ کیونکہ یہ تینوں ہی شعبے درحقیقت دین کے شعبے ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ انتہائی اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ آدمی کے اندر دین کی طلب پیدا ہوگی، اس طلب کے بعد وہ مسائل کا علم حاصل کرنے کی فکر اور جستجو کرے گا اور علماء سے رابطہ قائم کرے گا۔ جب وہ مسائل کا علم حاصل کرکے اپنے اعمال کو صحیح طریقہ پر انجام دینے لگے گا تو نفس اور شیطان باطن

کے راستہ سے اس کی نیکیوں کو لوٹنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اگر یہ شخص کسی اللہ والے کے پاس جا کر ان سے اپنی باطنی بیماریاں بتلاتا رہے گا اور ان کے تجویز کردہ علاج پر عمل کرکے باطنی صحت حاصل کرتا جائے گا جسے اصطلاح میں تزکیہ کہتے ہیں تو ان شاء اللہ اس تزکیہ کے ذریعہ نیکیوں کے لٹنے کا سدِ باب ہو جائے گا۔

مشائخ کی شان

حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابۂ کرامؓ کے درمیان تینوں ہی لائن کی محنت کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے اکابرینِ امت نے ہمیشہ ان تینوں شعبوں کی اہمیت اور افادیت پر زور دیا ہے۔ میرے شیخ اول حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ بھی ان تینوں شعبوں کی اہمیت اور افادیت پر زور دیتے تھے۔ ہمارے حضرت نہ محض داعی تھے نہ صرف مولوی تھے اور نہ محض خانقاہی تھے بلکہ جس وقت جس کام کی اہمیت اور ضرورت دیکھتے اسی پر زور دیتے۔ بلکہ عامی آدمی کو بیعت کرنے کے بعد کبھی کبھی اس سے دریافت بھی فرماتے کہ آپ جماعت میں جاتے ہیں؟ اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو آپ اس سے فرماتے کہ بھائی! اگر آپ ایک چلہ نہیں جاسکتے تو کم از کم ایک چلی ہی چلے جایئے یعنی تین ہی دن کے لئے چلے جایئے لیکن ضرور جایئے اس سے انشاء اللہ آپ کو بہت نفع ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر لوگوں میں تینوں کاموں کے اندر اعتدال ہے اور ہر ایک شعبہ کی اہمیت مسلم ہے۔

میرا تعلق

عرصۂ دراز تک میرا تعلق بھی چونکہ حضرتؒ ہی کے ساتھ رہا اس لئے الحمدللہ میرے

اندر بھی ان تینوں شعبوں کے مابین اعتراف اور ہر ایک کی اپنی اپنی جگہ اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ دعوت وتبلیغ کی اہمیت پر میرا بیان سننے کے بعد میرے متعلق یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ پکا تبلیغی ہے۔ اور کچھ لوگ علماء کرام کے اکرام اور مکاتب ومدارس کی اہمیت پر میرا بیان سنتے ہیں تو انہیں گمان ہوتا ہے کہ یہ پکا مدرسہ والا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ اصلاح اور تزکیہ کی اہمیت پر میرا بیان سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ پکا خانقاہی ہے۔ ارے میاں! ہم نہ اس کے ہیں اور نہ اس کے ہیں ہم سب کے ہیں اور سبھی ہمارے ہیں ہم نہ محض داعی ہیں نہ صرف مدرسہ والے ہیں اور نہ صرف خانقاہی ہیں بلکہ تینوں ہی شعبوں کو دین کے شعبے سمجھتے ہوئے ان سے جڑے رہنا اور ہر شعبہ والے کی قدر کرنا اور ان کی نصرت کرنا اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور ہر ایک شعبہ کی اہمیت اور افادیت پر زور دیتے ہیں۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کوئی میرے بارے میں کیا رائے قائم کرتا ہے، جو رائے قائم کرتا ہے کرتا رہے۔ چونکہ میں نے ان تینوں شعبوں کے نفع کو کھلے طور پر دیکھا اور محسوس کیا ہے اس لئے میں ان تینوں کو دین کے شعبے سمجھتے ہوئے ان سے جڑا رہتا ہوں اور اپنے متعلقین کو بھی ان تینوں شعبوں سے جڑے رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔

کچھ نادان ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے اور وہ ہمارا کام نہیں ہے ہم ان کی نادانی کی وجہ سے دین کے اتنے اہم اور ضروری شعبوں کو چھوڑ تو نہیں سکتے؟ مجھے امید ہے کہ جس دن ان نادانوں پر ان تینوں شعبوں کی اہمیت اور افادیت کھل جائے گا اس دن وہ اپنی نادانی سے باز آ جائیں گے۔

طریقۂ علاج

ارشاد فرمایا: کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ حضرت اقدس مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم سے عرض کیا کہ حضرت! جب کوئی شخص مجھ سے اپنے کسی باطنی مرض کا علاج پوچھتا ہے تو مجھے اس کا علاج تو آتا نہیں البتہ اللہ پاک سے کہتا ضرور ہوں کہ یا اللہ! آپ ہی اس مرض کا علاج میرے دل میں ڈال دیجئے، پھر جب اللہ پاک دل میں ڈالتے تو میں بتا دیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا، یہی کرنا چاہئے اور یہی دستور بھی ہے۔

ایک نوجوان کا علاج

چنانچہ ایک مرتبہ ایک نوجوان نے مجھ سے کہا کہ آپ کے تجویز کردہ علاج سے میرے بہت سے روحانی امراض دور ہو گئے لیکن میں ایک ایسے قبیح مرض میں مبتلا ہوں جو مجھ سے نہیں چھوٹتا، اس کا دل میں ایسا شدید تقاضہ پیدا ہوتا ہے کہ میں اپنے تقاضہ کو میں دبا نہیں پاتا اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ آپ اس کا کوئی علاج بتا دیجئے تا کہ میں اس قبیح مرض سے بھی نجات پا جاؤں۔ اللہ پاک نے فوراً ایک بات میرے دل میں ڈالی اور میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے گھر کے قریب کوئی مسجد ہے؟ کہنے لگا کہ جی بالکل قریب ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ جب اس گناہ کا تقاضہ پیدا ہو تو تم فوراً مسجد چلے جایا کرو اور خدا کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے، روتے گڑگڑاتے ہوئے کہو کہ یا اللہ! آپ جانتے ہیں کہ اس وقت میرا نفس مجھے اس گناہ پر آمادہ کر رہا ہے، میں یہ گناہ نہیں کرنا چاہتا لیکن یا اللہ! میں اس کے آگے مغلوب ہو جاتا ہوں اور آپ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہوں۔ یا اللہ! اب بھی وہ مجھے اسی گناہ پر آمادہ کر رہا ہے لیکن میں اس سے بھاگ کر

آپ کے گھر میں آپ کی پناہ لینے کے لئے آیا ہوں، آپ مجھے پناہ دے دیجئے اور نفس کے خلاف میری مدد فرمایئے ،اگر آپ کی مدد شامل حال نہ ہوئی تو میں پھر اس گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، آپ کی مدد کے بغیر تو میں اس گناہ سے بچ ہی نہیں سکتا۔ یا اللہ! آپ ہی میری مدد فرمایئے اور مجھے اس گناہ سے بچنے کی ہمت دے دیجئے۔ یا اللہ! بچا لیجئے، یا اللہ! بچا لیجئے، یا اللہ! بچا لیجئے۔ مسجد میں جا کر کچھ اس طرح اللہ پاک کے سامنے عاجزی کرتے رہا کرو۔ جب کچھ دنوں کے بعد وہ میرے پاس آیا تو میں نے اس مرض کے متعلق پوچھا۔ کہنے لگا کہ جب سے آپ نے مجھے مسجد میں جانے کے لئے بتلایا ہے میں اس وقت ہمت کر کے مسجد ہی میں چلے جاتا ہوں۔ اللہ پاک نے میری مدد فرمائی، اب وہ مجھے اس گناہ سے بچا لیتے ہیں۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ میاں! جب وہ گناہ کے موقع پر اس گناہ سے بچا کر اپنے گھر میں آنے کی توفیق دیدیں گے تو کیا اس کی مدد نہیں فرمائیں گے؟

ایک ایمان افروز مثال

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ نعیم بٹ صاحب تبلیغی جماعت کے ایک ذمہ دار ساتھی ہیں جن کا بیان میں نے ایک کیسٹ میں سنا، اس میں انہوں نے اپنا ایک واقعہ نقل کیا کہ وہ ایک مرتبہ کسی مغربی ملک میں کار سے سفر کر رہے تھے۔ اس کار میں ایک ایسا سسٹم نصب تھا جو خود راستہ کی رہنمائی کرتا تھا کہ اب آپ کو دائیں طرف چلنا ہے، اب آپ کو بائیں طرف چلنا ہے، اب آپ کو سیدھا چلنا ہے۔ جب کسی چوراہے پر گاڑی رکتی تو جس جانب جانا ہوتا اس جانب چلنے کی آواز خود بخود اس سسٹم سے آتی تھی، پھر ڈرائیور

اسی کے مطابق اپنی گاڑی ٹرن لے لیتا تھا۔ نعیم بٹ صاحب کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ آواز سنی تو ڈرائیور سے اس کے متعلق پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ آواز ہمیں صحیح راستہ کی رہنمائی کرتی ہے، ہم اسی آواز کے مطابق چلتے ہیں اور منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ نعیم بٹ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اس ڈرائیور سے پوچھا کہ کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اس نے تمہیں جس سمت میں چلنے کے لئے کہا ہے تم اس کی مخالف سمت میں چلے ہو؟ اس نے کہا کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا، ہم تو اس کی آواز کے مطابق ہی گاڑی چلاتے ہیں۔ نعیم بٹ صاحب نے ڈرائیور سے کہا کہ آج تم اس آواز کی مخالفت کرتے ہوئے گاڑی دوسری سمت میں چلاؤ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ جب گاڑی ایک چوراہے پر پہنچی تو اس میں سے انگریزی زبان میں آواز آنے لگی جس کا مطلب تھا کہ دائیں چلو۔ نعیم بٹ صاحب نے ڈرائیور سے کہا کہ تم دائیں جانب چلنے کے بجائے سیدھا چلتے رہو دیکھیں یہ آواز کب تک آتی ہے۔ ڈرائیور ان کے کہنے پر دائیں جانب چلنے کے بجائے سیدھا چلتا رہا تو اس میں سے آواز آنی شروع ہوئی کہ پلٹ آؤ پلٹ آؤ تم غلط سمت میں جا رہے ہو پلٹ آؤ، کچھ دیر تک یہ آواز آتی رہی لیکن جب ڈرائیور نہیں پلٹا اور سیدھا چلتا رہا تو تھوڑی دیر کے بعد یہ آواز آنا بند ہوگئی۔ نعیم بٹ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جب کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے اور شریعت کے راستہ کو چھوڑ کر غلط راستہ پر چلتا ہے تو اندر سے اس کا ایمان اسی سسٹم کے مانند اسے آواز دیتا ہے کہ پلٹ آ پلٹ آ، گناہ چھوڑ دے، غلط راستہ کو چھوڑ کر صحیح راستہ پر آجا۔ جب تک اندر ایمان موجود ہوتا ہے یہ آواز مسلسل آتی رہتی ہے، اسے اس کا ایمان مسلسل جگاتا رہتا ہے اور اسے گناہ کا احساس دلاتا رہتا ہے لیکن

جب ایمان رخصت ہو جاتا ہے تو اندر سے یہ آواز آنا بند ہو جاتی ہے اور پھر بندہ بے جھجک گناہ کرتا جاتا ہے اور اسے گناہ کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

مؤمن اور گناہ

اسی لئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ مومن کو گناہ میں پوری لذت مل ہی نہیں سکتی۔ کیوں کہ جب تک اندر ایمان موجود ہوتا ہے اسے گناہ کا احساس دلاتا رہتا ہے اور پھر وہ بندہ اندر ہی اندر اپنے گناہ پر نادم ہوتا ہے، پچھتاتا ہے کہ ہائے یہ مجھ سے کیا ہو گیا، میں نے اپنے رب کی نافرمانی کیسے کر لی۔ جب گناہ پر پچھتاوا ہوا تو پھر گناہ کی لذت کس طرح مل سکتی ہے؟

فکر کی بات

اس لئے میرے دوستو! جب تک گناہ کے گناہ ہونے کا احساس باقی رہے اور گناہ کر بیٹھنے پر اندر سے ندامت اور پچھتاوا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ابھی اندر ایمان باقی ہے جو اسے گناہ کا احساس دلا رہا ہے۔ لیکن جب گناہ کا احساس ہی دل سے رخصت ہو جائے اور آدمی بلا جھجک گناہ کرنے لگے تو پھر اسے اپنے ایمان کی خیر منانا چاہئے، پتہ نہیں ایمان باقی بھی ہے یا رخصت ہو چکا۔

نعمت کیوں چھنتی ہے؟

اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: کہ جس طرح اللہ رب العزت نعمتیں عطا فرماتے ہیں اسی طرح بعض مرتبہ نعمتیں عطا کرنے کے بعد چھین بھی لیتے ہیں۔ اور چھین اس لئے لیتے ہیں کہ بندے ان نعمتوں کی صحیح قدر دانی نہیں کرتے اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے۔ خود

قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے کہ جب تم نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں تم پر اپنی نعمتیں بڑھا دوں گا لیکن جب تم نعمتوں کی ناقدری کرنے لگو گے اور ان کا شکر ادا نہیں کرو گے تو پھر میں اپنی نعمتیں تم سے چھین لوں گا۔

ایمان چھن بھی سکتا ہے

میرے دوستو! ایمان بھی اللہ کی ایک نعمت ہے بلکہ تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے جب تک اس نعمت کی قدر دانی کی جائے گی اور اس کا شکر ادا کیا جائے گا اس وقت تک یہ نعمت باقی رہے گی اور بڑھتی رہے گی لیکن جب اس نعمت کی ناقدری کی جائے گی اور اس کا شکر ادا نہیں کیا جائے گا تو اس وقت یہ نعمت چھینی بھی جا سکتی ہے اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

پتہ چلا کہ یہ ایمان بھی اور نعمتوں کی طرح باقی بھی رکھا جا سکتا ہے اور چھینا بھی جا سکتا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ہماری سمجھ میں نہ آئے بلکہ ہم اس بات کا اپنی عملی زندگی میں مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے! اگر آپ اپنا کوئی قیمتی رومال کسی کو ہدیہ دیں تو ہدیہ دینے کے بعد وہ رومال اس کی ملک ہو گیا اب وہ اسے جو چاہے کرے اور جیسا چاہے استعمال کرے آپ کو کچھ کہنے کا اختیار نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ آپ ہی کے سامنے اس رومال سے اپنے جوتے صاف کرنے لگے تو اگر آپ کا بس چلے گا تو اسی وقت اسے دو چھاپڑ (طمانچے) لگائیں گے کہ کیسا نالائق ہے جو اتنے قیمتی رومال سے جوتے صاف کر رہا ہے، تو اس لائق نہیں ہے کہ تجھے اتنا قیمتی رومال ہدیہ دیا جائے یہ کہہ کر اپنا رومال واپس لے لیں گے۔ اور اگر اتنا نہ کر سکے تو کم از کم اسے دل میں ضرور کوسیں گے کہ کیسا نالائق اور نا اہل

ہے، اسے اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ اتنے قیمتی رومال سے جوتے صاف نہیں کیے جاتے، آئندہ کبھی اس نااہل کو کوئی ہدیہ نہیں دوں گا۔

دوستو! ٹھیک اسی طرح ایمان بھی اللہ رب العزت کی جانب سے ایک بہت بڑی نعمت ہے جو ہمیں عطا کی گئی ہے، اگر ہم اس کی ناقدری اور ناشکری کریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ رب العزت یہ کہتے ہوئے ہم سے اپنی یہ نعمت چھین لیں کہ تم بڑے نالائق اور ناقدری کرنے والے ہو تم اس نعمت کے اہل نہیں ہو لہٰذا میں تم سے اپنی نعمت چھینے لیتا ہوں۔

شکرِ نعمت

پتہ چلا کہ ایمان کی ناقدری اور ناشکری کرنے سے ایمان چھن بھی جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ایمان کی قدردانی اور اس نعمت کے ادائیگی شکر کا طریقہ کیا ہے؟

اس نعمت ایمان کے ادائیگی شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سو فیصد حضرت نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ سنتوں کے سانچے میں ڈھال لیا جائے؛ جس وقت جو عمل جس طرح انہوں نے انجام دیا ہے اس وقت اس عمل کو اسی طرح انجام دیا جائے۔ اگر ہم حضرت نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ سنتوں کے سانچے میں ڈھل کر زندگی گذارنے والے بن جائیں تو صحیح معنوں میں ایمان کی قدردانی اور اس نعمت کا شکر ادا کرنے والے کہلائیں گے۔ اور اگر ان کے طریقہ سے ہٹ کر کسی دوسرے طریقہ کے مطابق زندگی گزاریں گے تو اس نعمت کی ناقدری اور ناشکری کرنے والوں میں ہمارا شمار ہوگا۔ پھر خدانخواستہ کہیں اس ناشکری کی پاداش میں ہم نعمت ہی سے محروم نہ کر دیے جائیں۔ اس لئے مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق ایمان کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اللہ پاک ہم سب کو اس

طریقہ کے مطابق ایمان والی نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

محبتِ شیخ

ارشاد فرمایا: کہ نسبت کی مختلف قسمیں ہیں جن میں سب سے قوی نسبت نسبتِ اتحادی ہے جس کا حصول کچھ مشکل نہیں ہے۔ جب شیخ کی محبت دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں مرید کے دل میں دو جذبے پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) شیخ کی ہر ممکن راحت کا خیال رکھنا۔

(۲) اپنی ذات سے انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔

جس قدر یہ محبت قوی ہوتی جائے گی اسی قدر مرید کے دل میں یہ دونوں جذبے راسخ ہوتے چلے جائیں گے۔ اس نسبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس تعلق اور محبت کی بناء پر جو مرید کو شیخ کے ساتھ حاصل ہے اللہ پاک شیخ کی منشاء اور چاہت مرید کو سمجھاتے ہیں ، یہاں شیخ نے سوچا ورہاں اس کی وہ سوچ اور چاہت مرید کے قلب پر وارد ہوئی، پھر بلا شیخ کے کہے اور بلا کسی اشارہ کے مرید از خود شیخ کی اس چاہت اور منشاء کو پورا کر دیتا ہے جسے دیکھ کر شیخ کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اس کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں سے وہ مقامات طے نہیں ہوتے جو شیخ کی اس دعا کی برکت سے مل جایا کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں! دعا کرائی نہیں جاتی دعا تو لی جاتی ہے۔ حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں سے ہر ایک کو آپ سے شرفِ صحبت تو حاصل تھا لیکن آپ کے ساتھ سب سے

زیادہ قوی نسبتِ اتحادی سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔ پھر یہ نسبت سینہ بسینہ امت کے صلحاء و اتقیاء میں منتقل ہوتی رہی جس کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔

شیخ اور مرید کے مابین نسبت کی مثال

اب سے کچھ پہلے دیکھنے والوں نے اس کی مثال حضرت مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم اور حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مابین دیکھی کہ حضرت مولانا کو اپنے شیخ کے ساتھ یہ نسبت بہت قوی درجہ میں حاصل تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ آپ کے دل میں شیخ کی محبت سرایت کر چکی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ مختلف مواقع میں اس نسبت کا ظہور آپ کی ذات میں دیکھا گیا۔ جب حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ ممبئی تشریف لاتے تو خادمِ خاص اور مزاج شناس ہونے کی حیثیت سے مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم ہمہ وقت آپ کے ساتھ ہوتے۔ رات کے قیام میں اکثر دیکھا گیا کہ جب حضرت آرام کرنے کے لئے اپنے کمرہ میں تشریف لے جاتے تو مولانا آپ کے ہاتھ پیر دابنے اور سر پر تیل رکھنے کی غرض سے آپ کے ہمراہ کمرہ میں جاتے۔ جب خدمت سے فارغ ہو جاتے اور دیکھتے کہ اب حضرت سو چکے ہیں تو اپنے کمرہ میں چلے آتے، مولانا کا کمرہ حضرت کے کمرہ سے کچھ فاصلہ پر تھا اس کے باوجود جب کبھی رات میں حضرت کی آنکھ کھلتی تو عجیب بات کہ بغیر کسی کے جگائے اس وقت مولانا بھی اپنے کمرہ میں بیدار ہو جاتے اور فوراً حضرت کے کمرہ کی کھڑکی پر لگے پردہ کو ہٹا کر اس طرح حضرت کو دیکھتے کہ آپ کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ اگر کبھی حضرت جلدی بیدار ہو جاتے تو گھڑی دیکھ کر دوبارہ سو جاتے، مولانا حضرت کو دوبارہ سوتا دیکھ کر اپنے کمرہ میں چلے آتے۔ اور اگر کبھی اس وقت حضرت کو پیشاب کا تقاضہ ہوتا تو حضرت

کے پہنچنے سے قبل خود بیت الخلاء میں جا کر گیزر کا بٹن آن کر دیتے تاکہ حضرت کے پہنچنے تک پانی کچھ گرم ہو جائے اور فوراً حضرت کے پاس پہنچتے کہ جی حضرت! میں جاگ رہا ہوں، میں نے گیزر آن کر دیا ہے آپ طمینان سے استنجاء وضو کر لیں۔ ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا کہ ادھر حضرت بیدار ہوئے ہوں اور ادھر مولانا کی آنکھ نہ کھلی ہو۔ یہی وہ نسبتِ اتحادی ہے کہ ادھر شیخ سوچتا ہے اور ادھر اس کی اس سوچ اور چاہت کو اللہ پاک مرید کے قلب پر القاء فرماتے ہیں۔ لیکن شیخ کے ساتھ یہ نسبت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب اس کی محبت دل میں گھر کر گئی ہو اور اس کے نتیجہ میں انہیں ہر طرح کی راحت پہنچانے اور کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ دینے کی فکر اور جذبہ دل پر غالب ہو۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ نسبتِ اتحادی صرف شیخ اور مرید کے مابین ہی پائی جائے بلکہ جن دو افراد کے درمیان ایسا تعلق اور ایسی محبت پائی جائی گی وہاں اس نسبت کا ظہور ہوگا۔

بطور مثال کے صرف ایک بات سن لیجئے کہ میں جب کھانا کھانے بیٹھتا ہوں تو اکثر اہلیہ محترمہ ہی دسترخوان پر کھانا لا کر رکھتی ہیں، پھر پاس آ کر بیٹھ جاتی ہیں اور از خود رکابی سے کھانا نکال کر میری پلیٹ میں رکھتی جاتی ہیں حتیٰ کہ روٹی بھی خود توڑ کر دیتی ہیں۔ ایسا بارہا ہوا کہ کھاتے وقت مجھے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی، اس سے قبل کہ میں مانگتا فوراً انہوں نے اپنی کسی بہو کو آواز دی کہ بیٹا! ابا کے لئے فلاں چیز لیتی آؤ۔ میں بڑا حیران ہوتا کہ میں نے تو ان سے مانگا نہیں پھر بھلا انہیں کس طرح میری چاہت کا پتہ چل گیا۔ یہ اسی نسبتِ اتحادی کا نتیجہ ہے جو باہم قوی تعلق اور دلی الفت و محبت کی بناء پر ظاہر ہوتا ہے کہ

یہاں محبوب نے سوچا اور وہاں اس کی وہ سوچ محب کے قلب پر وارد ہوئی۔

خوابوں کی بھرمار

ارشاد فرمایا: کہ آج کل خوابوں کا بڑا زور ہے، ملاقات پر یا آنے والے اکثر فون پر اسی کا چرچا اور تذکرہ رہتا ہے کہ حضرت! آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر کیا ہے؟ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی کا پیٹ خراب رہتا ہے تو اسے خواب بہت نظر آتے ہیں۔ افسوس ہوتا ہے کہ اب بہت سا قیمتی وقت اسی طرح کے فون کے جواب کی نظر ہو جاتا ہے۔ لوگوں کا تذکرہ تو جانے دیجئے مجھے تو تعجب ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے مجھ سے اصلاحی تعلق قائم کر رکھا ہے اور بظاہر سنجیدہ اور سمجھدار بھی لگتے ہیں وہ بھی ملاقات پر یا فون پر اپنے احوال بتانے کے بجائے اکثر اسی طرح کے سوالات کرتے ہیں۔ جب دھندہ مندہ ہوتا ہے تو فون آتا ہے کہ حضرت! دھندہ کافی مندہ ہے دعا کر دیجئے دھندہ چلنے لگے۔ اور جب دھندہ ٹھیک چلتا ہے تو گھریلو جھگڑوں سے متعلق فون آتا ہے کہ حضرت! گھر میں بہت جھگڑے ہو رہے ہیں دعا کر دیجئے گھر کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اور جھگڑوں سے نمٹے تو خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے فون کرتے ہیں۔

بھلا بتایئے! جنہیں اس تعلق کا مقصود اور اس کی غرض ہی معلوم نہ ہو انہیں بھلا اس تعلق سے کیا نفع ہوگا اور وہ اس راہ سے کیسے مستفید ہوں گے؟ میں کوئی معبر ہوں کہ لوگوں کے خواب کی تعبیر بیان کرتا پھروں اور کیا میں نے ان سے یہ تعلق اسی لئے قائم کیا تھا کہ انہیں ان کے خواب کی تعبیر بتایا کروں گا؟ یہ تعلق تو اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ وہ مجھے اپنے

اچھے برے ہر طرح کے احوال سے آگاہ کریں، جس طرح جسمانی مریض اپنے جسمانی امراض طبیب سے نہیں چھپاتا سب کچھ بیان کر دیتا ہے اسی طرح جب انہوں نے مجھے اپنا روحانی طبیب تجویز کر لیا ہے تو انہیں بھی چاہئے تھا کہ وہ اپنے روحانی امراض کھول کھول کر مجھ سے بیان کرتے، اپنے رذائل اور باطنی امراض پر مجھے مطلع کرتے، پھر میں توفیقِ الٰہی سے ان کے حسبِ حال ہدایات دیتا جن پر عمل کر کے وہ ان رذائل و امراض سے نجات پاتے۔ لیکن یہ سب تو کرتے نہیں دھندہ کی مندی سے، گھریلو جھگڑوں سے اور اپنے خوابوں سے ضرور آگاہ کرتے ہیں۔ جس طرح اب دیگر بہت سے دینی شعبوں سے منسلک افراد مقصود سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان شعبوں سے وابستہ ہیں اسی طرح اب اس شعبہ سے جڑے افراد کی نگاہوں سے بھی مقصود اوجھل ہو چلا ہے الا ماشاء اللہ، وہ بھی اس پیری مریدی کے تعلق کو ایک رسم کے طور پر نبھائے جا رہے ہیں اور لگا ہے لگا ہے شیخ کو فون پر اپنے خوابوں سے مطلع کرنے اور اپنی تکالیف و مصائب کے حل کے لئے دعا کرنے ہی کو اس راہ کا مقصود اور اپنے حقِ مریدی کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے اللہ ہی اپنا رحم فرمائے۔

تاہم ان حالات میں بھی امید کی کرن کے طور پر کچھ ایسے مخلص طالبین ضرور پائے جاتے ہیں جو اس طریق کی غرض اور مقصود کو جانتے ہیں اور اپنے تمام تر حالات کا کچا چٹھا کھول کر اپنے شیخ کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور ان سے پوچھ پوچھ کر اپنے عیوب و نقائص کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور میاں! جو سچی طلب کے ساتھ واقعی اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے اس کی اصلاح ضرور ہو کر رہتی ہے، خود اللہ پاک اس کی نصرت اور رہبری فرماتے ہیں اس

لئے کہ اللہ پاک طلب کے ساتھ کوشش کرنے والے کی کوشش کو ضائع جانے نہیں دیتے۔

ایک اصلاح

ایک روز یہ عاجز آپ کے مکان کے باہر کھڑا داڑھی میں کنگھی کر رہا تھا، آپ نے دیکھتے ہی ٹوکا اور فرمایا میاں سہیل! کھڑے ہو کر داڑھی میں کنگھی کرنے سے روزی کی برکت جاتی رہتی ہے۔

دنیا کی حقیقت

ایک روز آپ اپنے مکان کی بالائی منزل پر کھڑے تھے یہ عاجز بھی آپ کے ہمراہ تھا، نیچے کچھ بچے مٹی کے ڈھیر پر بیٹھے مٹی سے اپنا گھر بنا رہے تھے۔ دوسرے سے اچھا اور اونچا گھر بنانے میں ہر ایک دوسرے پر فوقیت لے جانا چاہتا تھا، آپ نے دیکھا تو اس عاجز سے فرمایا مولوی سہیل! ان بچوں کو دیکھو مٹی کے گھر بنانے میں کیسے مگن ہیں، ہر ایک دوسرے سے اچھا اور اونچا گھر بنانا چاہتا ہے، اگر بن جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر کوئی ان کے گھر کو بگاڑ دے یا توڑ دے تو افسردہ اور غمزدہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب اللہ والے ہمیں دیکھتے ہیں کہ ہم آخرت سے غافل ہو کر اپنی دنیا کے بنانے میں پوری طرح مست اور مگن ہیں اور رات دن اسی فانی دنیا کے بنانے اور بڑھانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، اگر بن جاتی ہے تو نازاں اور فرحاں ہوتے ہیں اور نہیں بن پاتی یا بگڑ جاتی ہے تو مایوس اور رنجیدہ ہو جاتے ہیں تو انہیں بھی ہم پر ہنسی آتی ہے کہ یہ کیسے بیوقوف ہیں جو فانی اور چھوٹ جانے والی دنیا کے بن جانے سے خوش اور بگڑ جانے سے افسردہ ہو جاتے ہیں۔

بیٹا! ان اللہ والوں کے سامنے دنیا کی حقیقت کھل چکی، اسی لئے دنیا ان کی نگاہوں میں اسی طرح بے وقعت اور بے قیمت ہو گئی جس طرح ان بچوں کے بنائے ہوئے مٹی کے گھر ہماری نگاہوں میں بے قیمت ہیں۔ جس دن دنیا کی حقیقت اور اس کی بے ثباتی ہماری دلوں میں اتر جائے گی اس دن اس دنیا کی حقیقت ہماری نگاہوں میں بھی اس مٹی کے ڈھیر سے زیادہ نہیں ہوگی۔

سنتوں کا اہتمام غفلت سے نکالتا ہے

ارشاد فرمایا: کہ آدمی کی زندگی میں مسنون اعمال کے ساتھ مسنون دعاؤں کا خوب اہتمام ہونا چاہئے کہ مسنون اعمال آدمی کو غفلت سے نکالتے ہیں اور مسنون دعائیں اللہ سے مانگنے اور منوانے کا ایک مقبول طریقہ ہے جو مقبول الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ سنتوں کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے آدمی سراسر غفلت میں رہتا ہے اور دعاؤں کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے اللہ کی بہت سی نعمتوں اور عطاؤں سے محروم رہ جاتا ہے۔ آدمی سنت کو سنت سمجھ کر ترک کر دیتا ہے حالانکہ ترکِ سنت خود ایک بہت بڑا نقصان ہے جو آدمی کو یا تو فی الفور ہوگا یا کچھ دیر بعد ہوگا یا کچھ عرصہ کے بعد ہوگا لیکن ضرور ہوگا۔

ترکِ سنت کا نقصان

عام طور پر اس کا نقصان تین صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے:

١) تارکِ سنت اللہ کی محبوبیت اور معرفت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ سنتوں کے اہتمام کا ثمرہ اللہ کی محبوبیت اور معرفت کا ملنا بتایا گیا ہے کہ متبعِ سنت آدمی کا قلب سنتوں کے اہتمام کی برکت سے دھیرے دھیرے منور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

پھر یہ نور بڑھتے بڑھتے ایک مخصوص سطح تک پہنچتا ہے جہاں پہنچنے کے بعد اسے اللہ پاک اپنا محبوب اور مقرب بنا لیتے ہیں اور اسے اپنی معرفت کا نور عطا فرماتے ہیں۔ جبکہ تارکِ سنت اس عظیم نعمت سے محروم رہتا ہے۔

۲) ترکِ سنت کی وجہ سے آدمی کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۳) اور اگر گناہ میں مبتلا نہ بھی ہوا تو کسی نہ کسی رسم میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے۔

اب اگر کوئی یوں کہے کہ جناب! چپل پہننے کا مسنون طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی پہلے دائیں پیر میں چپل پہنے پھر بائیں پیر میں پہنے، لیکن اگر میں نے سنت کے خلاف پہلے بائیں پیر میں پہنا تو میں نے کوئی گناہ کیا اور نہ کسی رسم میں مبتلا ہوا تو پھر آخر مجھے نقصان کیا ہوا؟ بے شک اس ترکِ سنت سے کوئی گناہ نہ ہوا اور نہ ہی آپ کسی رسم میں مبتلا ہوئے لیکن اگر آپ اس سنت پر عمل کر لیتے تو آپ کو کچھ نیکیاں مل جاتیں، سنت کا نور حاصل ہوتا، اللہ کی محبوبیت مل جاتی، اس کا قرب مل جاتا۔ جبکہ اس خلافِ سنت عمل کی وجہ سے آپ ان نعمتوں سے محروم رہ گئے، کیا یہ نقصان نہیں ہے؟

لہٰذا دوستو! سنت کو سنت سمجھ کر نہ چھوڑیں، اپنے اوپر یہ فکر غالب کر لیں کہ ہم ہر چھوٹے بڑے عمل کی اور معمولی معمولی کاموں کی بھی سنت معلوم کریں گے اور اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اس لئے کہ سنت کو ترک کر کے نہ دنیا میں عزت ملے گی، نہ قبر کے سوالوں کا جواب بن پڑے گا اور نہ آسانی سے آخرت میں نجات ملے گی۔ اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور ہر عمل کو سنت کے مطابق انجام دینے کی فکر اور جستجو ہمارے اندر پیدا فرمائیں آمین۔

توبہ کی اہمیت

ارشاد فرمایا: کہ آج کل امت اجتماعی طور پر حالات اور مسائل سے دوچار ہے، اور ہر شخص اپنی اپنی سطح اور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے حالات اور مسائل سے نمٹنے کی مختلف تدابیر اختیار کر رہا ہے۔ ان حالات میں بے دینوں کا تذکرہ تو چھوڑ دیئے کہ وہ اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق تدبیریں کرتے ہیں، لیکن ہم جیسے دیندار سمجھے جانے والے حضرات کی تدابیر کا رخ بھی کچھ ٹھیک نہیں ہوتا۔ ہم جیسوں پر اگر حالات آتے ہیں تو ہم کرنے والے کچھ اعمال بڑھا لیتے ہیں، مثلاً وظیفے بڑھا دیتے ہیں، تسبیحات کی پابندی کرنے لگتے ہیں، صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور بہت کر لیا تو کچھ صدقہ خیرات کر دیتے ہیں۔ تاہم ان حالات میں جو کام اصل کرنے کا ہوتا ہے اس کی طرف ہمارا ذہن منتقل نہیں ہوتا اور وہ ہے توبہ۔ یعنی ہم اس جانب سوچتے ہی نہیں کہ یہ حالات شاید ہماری ہی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہوں۔ حالانکہ کتابوں میں بکثرت یہ بات ملتی ہے کہ بندوں پر حالات و مصائب اکثر انہی کی بد اعمالیوں اور گناہوں کے سبب آتے ہیں۔ لہٰذا حالات کے آنے پر مذکورہ اعمال کا اہتمام بہت اچھی بات ہے تاہم ان کا نافع اور کارآمد ہونا توبہ پر موقوف ہے کہ آدمی اپنے سابقہ گناہوں کو سوچ سوچ کر ان پر نادم و شرمندہ ہو اور اللہ کے حضور ان پر سچے دل سے توبہ و استغفار کرے اور آئندہ ان گناہوں کو نہ کرنے کا دل میں پختہ ارادہ ہو۔ حالات کی تبدیلی میں توبہ نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے، جوں جوں بد اعمالیوں سے توبہ ہوتی جاوے گی منجانب اللہ حالات کی درستی کے فیصلے ہوتے جاویں گے۔

اسی عنوان سے متعلق ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ دن بھر میں ستر ستر مرتبہ اور بعض روایات میں سو سو مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ حالانکہ آپ صرف نبی ہی نہیں بلکہ سید الانبیاء والمرسلین ہیں، معصوم ہیں، محبوب رب العالمین ہیں، وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ ان سب کے باوجود آپ دن بھر میں اتنی کثرت سے استغفار کرتے تھے۔ اور ایک ہم ہیں جو سراپا گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، رات دن خدا کی نافرمانیاں کرتے رہتے ہیں اس کے باوجود ہمیں کبھی توبہ کا خیال نہیں آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو دن بھر میں اتنی کثرت سے استغفار کرتے تھے اور ہم دن بھر میں اتنی مرتبہ بھی نہیں کرتے جتنی مرتبہ کھانا پینا کرتے ہیں۔ بلکہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب تو گناہ کرتے کرتے ہماری طبیعت گناہوں سے اس قدر مانوس ہو چکی کہ گناہ کے بغیر ہمیں چین ہی نہیں آتا، گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ہی دل سے رخصت ہو چکا۔ اللہ پاک ہی ہمارے حال پر رحم فرمائیں اور اپنے فضل سے ہمیں اپنی ایسی خشیت نصیب فرمائیں جو گناہوں کے صدور میں حارج اور مانع بن جائے۔

گھر میں جوڑ کیسے پیدا ہو؟

ارشاد فرمایا: کہ گھر میں جوڑ پیدا کرنے کے لئے ایک بات نہایت ضروری ہے کہ آدمی گھر میں رہتے ہوئے صبر اور حلم کو اختیار کرے، گھر والی کو کبھی بھی غصہ، ڈانٹ ڈپٹ اور سختی سے کوئی بات نہ سمجھائے۔ بلکہ جب کبھی کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کی اصلاح ضروری ہو تب بھی عین غلطی کے وقت اس کی اصلاح نہ کرنا چاہئے کہ اس سے بجائے

اصلاح کے فساد پیدا ہوگا، الا یہ کہ کسی خلاف شرع امر کا ارتکاب کر بیٹھے، ایسی صورت میں تو بروقت ٹوکا جائے گا خواہ اسے اچھا لگے یا برا۔ لیکن جہاں ہمارے مزاج کے خلاف کر بیٹھے تو عین اسی وقت اصلاح کرنے کے بجائے کسی دوسرے موقع پر مناسب انداز سے سمجھادے کہ یہ بات تمہاری شان کے مناسب نہیں ہے، تمہیں ایسا نہ کرنا چاہئے۔ اس طرح سمجھانے سے اسے برا بھی نہیں لگے گا اور اس امر میں اس کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

اور پھر میاں! اگر عورتوں کی طرف سے کوئی بات خلافِ مزاج پیش بھی آجائے تو ہم اور ہمارے بچوں کی نسبت ان کی خدمات اور احسانات کے پیش نظر ہمیں عفو اور درگذر ہی سے کام لینا چاہئے، ان کی قربانیوں اور خدمات ہی کو سوچ کر صبر کرلے کہ بے چاری ہماری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئی ہے، اپنا گھر چھوڑا، ماں باپ کو چھوڑا، بھائی بہنوں کو چھوڑا، اپنوں کا ماحول چھوڑ کر ایک اجنبی ماحول میں اجنبی لوگوں کے ساتھ رہنے کے لئے صرف ہماری خاطر رضامندی ظاہر کی۔ پھر یہ کہ اسے اپنے گھر میں ماں باپ کا پیار اور ان کی شفقت حاصل تھی، بھائی بہنوں کی محبت اور ہمدردی حاصل تھی، ذرا سی تکلیف پر سارے گھر والوں کی محبت اور توجہ اس پر مرکوز ہو جاتی، پورا گھر اس کی مزاج پرسی میں لگ جاتا، اسے اس کی ساری خانگی ذمہ داریوں سے ہٹا کر پوری طرح راحت و آرام سے رکھا جاتا۔ اور یہاں ہمارے گھر اسے ماں باپ کا پیار حاصل ہے نہ ان کی شفقت، بھائی بہنوں کی محبت حاصل ہے نہ ان کی ہمدردی۔ صحت کے زمانہ میں تو اسے گھریلو کام کاج کرنے ہی ہیں مرض کی حالت میں بھی اسے آرام نہیں ملتا۔ روزانہ کھانا وہ بناتی ہے، ہمارے کپڑے وہ دھوتی ہے، برتن وہ مانجھتی ہے، گھر کی صاف صفائی وہ کرتی

ہے، ہمارے بچوں کی پرورش وہ کرتی ہے۔ ہم تو روزانہ دھلے دھلائے کپڑے پہن کر اور پکا پکایا کھا کر گھر سے نکل جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ سارا دن اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی گھریلو ذمہ داریاں کس طرح نباہتی ہے یہ اسی کا دل جانتا ہے۔ اگر یہ باتیں سمجھ میں نہ آتی ہوں تو زیادہ نہیں صرف ایک ہفتہ کے لئے اپنی گھر والی کو اس کے میکے بھیج دو اور گھریلو ذمہ داریاں اپنے سر لے لو، اور ان ذمہ داریوں کے ساتھ گھر میں موجود چھوٹے چھوٹے بچوں کو سنبھال کر دیکھو۔ جس میں ایک ایک سال کا ہے، ایک ڈھائی سال کا ہے، ایک چار سال کا ہے اور ایک چھ سال کا ہے۔ میاں! ایک ہفتہ کیا سنبھالتے تیسرے ہی دن چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا اور اسے میکے فون کرو گے کہ آ کر اپنے بچوں کو سنبھالے۔

دوستو! اس کی انہی سب خدمات کا تقاضہ ہے کہ اس کے ساتھ گھر میں حسنِ سلوک برتا جائے، محبت اور ہمدردی کے ساتھ رہا جائے، اس کی خوبیوں پر اس کی ستائش کی جائے، اور اس کی خامیوں پر سرزنش اور مذمت کرنے کے بجائے صبر اور حلم کے ساتھ عفو اور درگذر سے کام لیا جائے۔ تاکہ باہم جوڑ باقی رہے، محبت اور تعلق میں اضافہ ہو، ازدواجی زندگی پر لطف ہو اور اس کے اچھے اثرات بچوں پر پڑیں۔ دوستو! ان باتوں پر عمل کر کے دیکھیں، پھر گھر میں جوڑ نہ پیدا ہو اور گھر جنت نہ بنے تو مجھ سے کہنا۔

دل کا بسنا اور اجڑنا

ایک سلسلۂ گفتگو میں ایک نہایت پر اثر جملہ ارشاد فرمایا: کہ یاد رکھیں! حالات سے دل بنا کرتا ہے اور گناہ سے دل اجڑ جایا کرتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے موقع پر

فرمایا: کہ ظلم خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو دل کو اجاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

شکرانِ نعمت

ایک موقع پر اپنی کچھ جسمانی تکالیف کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: کہ نفس جب ناشکری کی طرف لے جائے تو فوراً اپنے ذہن کو نعمتوں کے سوچنے کی طرف منتقل کرنا چاہئے کہ میرے مالک کی مجھ پر ہزارہا نعمتیں ہیں جنہیں میں استعمال کرتا ہوں۔ دیکھ! انگلیوں کا حرکت کرنا نعمت ہے، ذہن کا ٹھیک طرح کام کرنا نعمت ہے، زبان میں چکھنے کی صلاحیت کا ہونا نعمت ہے، آنکھوں کی بینائی کا صحیح سالم ہونا نعمت ہے، کانوں کی سماعت کا ٹھیک ہونا نعمت ہے، معدہ کا ٹھیک ہونا نعمت ہے، چل پھر لینا اور دوسروں کا محتاج نہ ہونا نعمت ہے۔ ارے میاں! نماز کے لئے مسجد میں بلا لینا بھی ان کی ایک بڑی نعمت ہے لیکن ہم نعمتوں کو سوچتے کہاں ہیں؟ خدا کی ان گنت نعمتیں ہیں جنہیں ہم استعمال کر رہے ہیں لیکن کبھی ان نعمتوں کو سوچ کر ان پر تو شکر ادا نہیں کرتے اور نفس کے تکالیف گنوانے پر بہت جلدی ناشکری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایک معمول

پھر اپنی تکالیف کا تذکرہ کرنے سے متعلق فرمایا کہ میں جو آپ حضرات کے سامنے کبھی کبھی اپنی تکلیفوں کا تذکرہ کر بیٹھتا ہوں تو یہ تذکرہ برائے تذکرہ یا تذکرہ برائے ناشکری نہیں ہوتا بلکہ اس میں میری کچھ نیتیں اور مقاصد ہوتے ہیں۔

(۱) ایک نیت تو یہ ہوتی ہے کہ آپ حضرات مجھے دیکھ کر شکر کی عادت ڈالیں کہ یہ

کس قدر تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں، اللہ پاک نے ہمیں ایسی تکالیف سے محفوظ رکھا ہے۔

(۲) دوسری نیت یہ ہوتی ہے کہ جب آپ میری تکلیفوں کو سنیں تو میرے لئے دعا کریں، مناسب سمجھیں تو صدقہ بھی کر دیں۔

(۳) تیسری نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی نامناسب وقت پر ملاقات کے لئے آجائے تو آپ حضرات میری بیماری کا عذر بتلا کر اسے روک دیں۔

(۴) پھر یہ بھی سوچیں کہ جب مجھ جیسا بیمار آدمی فجر کی نماز کے لئے مسجد میں آسکتا ہے اور اکثر تہجد کے لئے اٹھ سکتا ہے تو آپ حضرات کو تو بدرجۂ اولیٰ اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ بھی اللہ ہی کی دی ہوئی توفیق سے متعدد نیتیں کر لیتا ہوں۔ اور خود اپنے دل کو ان تکالیف کے شمار کے وقت خوب ٹٹولتا ہوں کہ کہیں اس تذکرہ میں ناشکری کا پہلو تو نہیں، لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ عین اس وقت بھی دل میں شکر ہی کا جذبہ پاتا ہوں۔

شیخ خود اپنی نگاہ میں

ایک موقع پر اس عاجز سے مخاطب ہو کر فرمایا: کہ مولوی سہیل! اب میرے بیانات کی وجہ سے لوگ مجھے جاننے لگے ہیں، میری باتیں مطبوعہ صورت میں پڑھنے اور انٹرنیٹ پر میرے بیانات سننے کی وجہ سے اب ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اور بیرونِ ہند سے بھی لوگ مجھ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے اور اصلاحی باتیں پوچھنے لگے ہیں اور انہیں نفع بھی ہو رہا ہے۔ اور میاں! ہم کیا کسی کو نفع پہنچاتے، نفع تو خدا قسم اللہ ہی دیتا ہے۔ ان سب کے باوجود جب میں اپنی ذات پر نگاہ ڈالتا ہوں تو اپنا حال بہت ہی خراب پاتا ہوں، اپنی بداعمالیاں جب نگاہوں کے سامنے آتی ہیں تو خود اپنی نگاہ

میں ذلیل ہو جاتا ہوں اور اپنی ذات سے گھن محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی رات میں پیشاب کے تقاضہ کے سبب آنکھ کھلتی ہے تو اپنی بداعمالیوں کے سبب دل پر ایک خوف طاری ہو جاتا ہے، بار بار رب اغفرلی پڑھتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ اگر ابھی موت آگئی تو میرا کیا ہوگا؟

مرید کا سوال اور شیخ کا جواب

ایک مرتبہ میں نے اپنے موجودہ شیخ حضرت اقدس مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! جب میں اپنی ذات پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اپنا حال اپنے تمام مریدین سے زیادہ خراب نظر آتا ہے؛ وہ سب تو مجھ سے بہت اچھے ہیں پھر آخر مجھے ان لوگوں کو بیعت کرنے کا کیا حق ہے؟ اب حضرت تو حضرت ہی ہیں، چٹکلوں میں جواب دیتے ہیں۔ فرمایا جب تک تمہیں اپنا یہ حال نظر آئے اس وقت تک لوگوں کو بیعت کرتے رہنا۔ اسی طرح ایک دوسرے موقع پر میں نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت! میرا اب بیان کرنے کا بالکل جی نہیں چاہتا، میری بداعمالیاں منہ چڑائے میرے سامنے کھڑی نظر آتی ہیں، گویا مجھ سے کہتی ہیں کہ شکیل! اتنا برا ہو کر آخر تجھے بیان کرنے کا کیا حق ہے؟ اس بات کا بھی حضرت نے اسی طرح چٹکلہ میں جواب دیا۔ فرمایا کہ جب تک بیان کرنے کا جی نہ چاہے اس وقت تک بیان کرتے رہنا، اور جب جی چاہنے لگے تو بیان بند کر دینا۔

رہبرِ کامل کی ضرورت

بڑوں کی رہبری اور سرپرستی کو غیر ضروری سمجھنے والوں کو اسی ایک واقعہ سے سبق

لینا چاہئے کہ بڑے ہر ایسے موقع پر جہاں آدمی کا نفس اسے اچکنا یا دھوکا دینا چاہتا ہے اور اسے مایوس اور رنجیدہ کر کے کام سے روکنا چاہتا ہے تو وہ ایسے موقع پر اسے اس کے دھوکہ سے بچا کر اس کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں اور اسے یاس سے نکال کر آس کی طرف لے آتے ہیں۔ ممکن ہے اس میں بھی اس کا کوئی دھوکا ہو کہ وہ اس طرح کے وساوس اور خیالات میرے دل میں جما کر مجھے کام سے روکنا چاہتا ہو، اس لئے کہ میرے اس کام سے اللہ پاک بہرحال لوگوں کو نفع عطا فرما رہے ہیں: یہ ان کا احسان ہے کہ انہوں نے مجھے اس خدمت کے لئے قبول فرمایا ہے۔

ایک باطنی مرض

ارشاد فرمایا: کہ حب جاہ باطنی امراض میں ایک ایسا مرض ہے کہ جب یہ جڑ پکڑ لیتا ہے تو قبول حق سے مانع بن جاتا ہے، پھر ایسا شخص حق بات کو قبول کرنے پر جلدی آمادہ نہیں ہوتا۔ دیکھئے! اللہ پاک کی ذات حق ہے اور وہ سراسر حق بات ہی کہتے ہیں، جب انہوں نے شیطان سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے لئے کہا جو کہ ایک امر حق تھا تو چونکہ شیطان کے اندر حب جاہ کا مرض جڑ پکڑ چکا تھا اس لئے اس نے اس امر سے انکار کر دیا اور ہمیشہ کے لئے مردود اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق کو قبول نہ کرنے سے آدمی مردود اور ملعون ہو جاتا ہے مقبول نہیں ہوتا، جس کا ایک بہت بڑا سبب یہ مرض ہوتا ہے، لہٰذا اس سے بہت بچنا چاہئے۔ اور اگر کسی کو یہ مرض لاحق ہو گیا ہو تو فی الفور اس کا علاج کر لینا چاہئے تاکہ مردودیت سے بچا جا سکے۔

توڑ کیوں؟

ارشاد فرمایا: کہ ہر طاعت کی یہ خاصیت ہے کہ اس کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں میں اس شخص کے تئیں محبت ڈال دی جاتی ہے، اسی طرح ہر گناہ کی یہ خاصیت ہے کہ اس کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں میں اس شخص کے تئیں نفرت ڈال دی جاتی ہے، باہم دلوں میں پھٹن ڈال دی جاتی ہے۔ آج گھروں میں توڑ کی ایک بڑی وجہ افراد خانہ کی مشترکہ بے دینیاں ہیں۔ شوہر کہتا ہے میری بیوی بے دین ہے، بیوی کہتی ہے میرا شوہر بے دین ہے، باپ کہتا ہے میرا لڑکا بے دین ہے: بیٹا کہتا ہے میرے ابا بے دین ہیں، بہو کہتی ہے میری ساس بے دین ہے، ساس کہتی ہے میری بہو بے دین ہے۔ ہر ایک کی نگاہ دوسرے کی بے دینی پر ہے اپنی بے دینی پر نہیں ہے۔ حالانکہ وہ خود کسی نہ کسی شعبہ میں بے دین ضرور ہے لیکن اپنی بے دینی نظر نہیں آتی خواہ سینکڑوں بے دینیوں میں ملوث ہو، اور دوسرا کسی ایک بے دینی کا بھی مرتکب پایا گیا تو صرف اس پر نگاہ ہی نہیں جاتی بلکہ اس کی بنیاد پر اس کی طعن و تشنیع کی جاتی ہے اور اسے خوب اچھالا جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم نے اپنے عیبوں اور اپنی بے دینیوں پر نگاہ ڈالنی چھوڑ دی اور دوسروں کے عیوب کو ٹٹولنا شروع کر دیا پھر بھلا ہماری اصلاح کیونکر ہوگی؟ خود میں نے ایک مرتبہ اپنے موجودہ شیخ حضرت اقدس مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم سے عرض کیا کہ حضرت! میری اصلاح کے تعلق سے آپ بہت سی باتیں ارشاد فرماتے ہیں، کچھ تو مجھے یاد رہتی ہیں اور کچھ میں بھول جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کچھ نصیحتیں لکھ کر دے دیجئے جسے میں بار بار پڑھتا رہوں۔ حضرت نے سات باتیں لکھ کر بھیجیں: اس میں آخری بات یہ تھی کہ جب صبح ہوتی ہے تو تم اپنا نامۂ اعمال اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیتے ہو اور لوگوں کے

نامۂ اعمال اپنے سامنے پھیلا کر ان کے عیوب تلاش کرتے رہتے ہو پھر بھلا تم خدا کو کیسے پاسکتے ہو؟ میں حضرت کے اس ارشاد کو بکثرت پڑھتا اور اپنا سبق تازہ کرتا رہتا ہوں۔

کس کا محاسبہ کریں؟

دوستو! اگر ہم اپنی اصلاح چاہتے ہیں تو ہمیں دوسروں کے عیوب سے اپنی نگاہ ہٹانی ہوگی، اپنا محاسبہ کرنا ہوگا، اپنی فکر میں لگنا ہوگا، عیوب اور خامیاں اپنی ذات کی تلاش کرنی ہوں گی۔ جب یہ چیز ہمارے اندر پیدا ہو جائے گی تو ہم خود ہی محسوس کریں گے کہ دنیا میں ہم سے زیادہ برا کوئی نہیں ہے۔

خوب اچھی طرح یاد رکھیں! جو دوسروں پر اعتراض کرتا رہتا ہے اس کے لئے راہِ ہدایت مسدود ہو جاتی ہے۔ اور جو اعتراض کا جذبہ اپنی ذات پر استعمال کرتا ہے اس کے لئے ہدایت کا راستہ کھل جاتا ہے اور وہ بآسانی اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔

بیعت کا منشاء

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: کہ آج میرے پاس ایک نوجوان عالم آئے تھے، بڑی اچھی علمی استعداد کے حامل ہیں، جماعت میں بھی پابندی سے وقت لگاتے ہیں۔ مجھ سے کہنے لگے کہ ایک عرصہ سے بیعت کے تعلق سے میرا قلبی رجحان آپ ہی کی طرف ہے اسی غرض سے حاضر ہوا ہوں، آپ مجھے بیعت کر لیجئے۔ میں نے انہیں بیعت کرنے سے قبل اللہ ہی کی دی ہوئی توفیق سے ان کے سامنے بیعت کی غرض اور منشاء اور اس کے مقصود کو بالتفصیل بیان کیا جس میں ایک بات یہ بھی کہی کہ مولانا! آج کل لوگ خانقاہ اور خانقاہی نظام سے اس لئے وابستہ ہوتے ہیں تاکہ ان کے ذکر کی ترتیب ٹھیک ہو جائے، وہ

بے چارے اپنی فہم کے مطابق یہ سمجھتے ہیں کہ بیعت ہونا اور خانقاہی نظام سے وابستہ ہونا اس لئے ہوتا ہے تاکہ ذکر کی ایک متعینہ مقدار کی پابندی ایک مخصوص لگے بندھے طریقہ کے مطابق ہونے لگے، گویا ان کے نزدیک بیعت کا کل خلاصہ اور نچوڑ ذکر و شغل کا اہتمام ہے، حالانکہ بیعت کی غرض اور منشاء ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی منشاء یہ ہے کہ تسبیح و تلاوت، اوراد و وظائف اور اسی طرح دیگر تمام عبادات کا اثر قلب تک پہنچ جائے۔ اگر طاعت کا اثر قلب تک پہنچ رہا ہے تو سمجھو کہ بیعت کی جو غرض تھی وہ پوری ہو رہی ہے، اور اگر ذکر اور دیگر طاعات قلب کو متاثر نہیں کر رہی ہیں تو سمجھو کہ بیعت کی جو غرض اور منشاء تھی وہ ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔

ناراضگی کے وقت کیا کریں؟

ارشاد فرمایا: کہ اگر کوئی مسلمان ہمارے ساتھ دشمنی کا اظہار کرے تو ہرگز یہ مناسب نہیں کہ اس کے خلاف ہم بھی غصہ اور دشمنی کے جذبات بنائیں، یہ تو مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ بلکہ ہمیں چاہئے کہ ہم خوب سوچیں اور غور کریں کہ اس وقت اور اس حال میں ہمارے لئے شریعت کا کیا حکم اور اس کا ہم سے کیا مطالبہ ہے، پھر اس کے مطابق عمل کریں۔ اور اس شخص کے متعلق یہ خیال کریں کہ یہ اللہ کا بندہ ہے، ہمارا ایمان والا بھائی ہے، اگر یہ کسی غلط فہمی کے سبب ہم سے خفا ہو گیا ہے تو بے چارہ نادانی میں خفا ہوا ہے جان کر تھوڑا ہی ہوا ہے، جب اس کی غلط فہمی دور ہو جائے گی تو خفگی بھی جاتی رہے گی، اس طرح اپنے دل کو سمجھا کر اس سے درگذر کا معاملہ کریں۔ اس عمل کی برکت سے انشاء اللہ کچھ ہی دنوں میں آپ دیکھیں گے کہ اس کی ناراضی رضامندی سے اور خفگی محبت سے بدل جائے گی۔

ایک سوال

ایک موقع پر حاضرین سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ کہ دین پر چلنا آسان ہے یا بے دینی پر؟ پھر از خود فرمایا کہ اگر ہم بے دینی پر چلیں گے تو ہمارا ہاتھ شیطان کے ہاتھ میں ہوگا، وہ ہمیں ہاتھ پکڑ کر چلائے گا۔ اور اگر ہم دین پر چلیں گے تو ہمارا ہاتھ رحمٰن کے ہاتھ میں ہوگا، پھر وہ ہمیں ہاتھ پکڑ کر چلائیں گے۔ اب ہم خود فیصلہ کریں کہ رحمٰن ہاتھ پکڑ کر چلائے تو چلنا زیادہ آسان ہوگا یا شیطان ہاتھ پکڑ کر چلائے تو چلنا زیادہ آسان ہوگا؟

ہدیہ کا ادب

ارشاد فرمایا: کہ ہدیہ لینا دینا بیشک مسنون ہے لیکن ہدیہ دیتے وقت جسے ہدیہ دیا جارہا ہے اس کے مزاج، طبیعت، چاہت، پسند اور ضرورت کی رعایت کرنی چاہئے۔ عام طور پر لوگ اس کی رعایت نہیں کرتے۔ عام لوگوں کا تذکرہ تو چھوڑیئے اچھی خاصی سوجھ بوجھ رکھنے والے افراد بھی اس معاملہ میں بڑی کوتاہی کرتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ یہ جانے اور سمجھے بغیر کہ میں جسے ہدیہ دے رہا ہوں یہ چیز اس کے مزاج کے موافق ہے یا نہیں، اسے یہ چیز پسند ہے بھی یا نہیں اس ہدیہ دے دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے محبت کا حق ادا کردیا۔ البتہ بعض لوگ فہیم اور سمجھدار ہوتے ہیں جو ان باتوں کی بڑی رعایت کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے مجھے پونہ سے فون کیا، کہنے لگے کہ میں آپ کے بیانات سنتا رہتا ہوں مجھے بڑا نفع ہوتا ہے۔ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ اگر کسی کو ہدیہ دینا ہو تو کیا اس کے مزاج اور پسند کی بھی رعایت کرنی چاہئے؟ میں نے کہا ضرور کرنا چاہئے۔ کہنے لگے کہ میں بمبئی آرہا ہوں، سوچا آپ کے لئے کچھ ہدیہ لیتا چلوں،

آپ بتایئے کہ میں آپ کے لئے کیا لیتا آؤں؟ مجھے ان کے اس سوال اور اس بے تکلف پیش کش سے بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے کہا آپ وہاں سے کچھ لانا ہی چاہتے ہیں تو چوڑا (کھانے کی ایک مخصوص چیز) لیتے آیئے۔ (پھر اس عاجز سے فرمایا کہ چوڑا کوئی مہنگی اور وزنی چیز تو ہے نہیں کہ لانے میں گرانی ہو، بیس پچیس روپے لگیں گے اور ان کا بھی جی خوش ہوجائے گا کہ میں نے حضرت کو ہدیہ دیا ہے)

سب سے بہتر ہدیہ

پھر فرمایا کہ سب سے بہتر ہدیہ نقد روپیوں کا ہدیہ ہے۔ اسی کو حضرت تھانویؒ نے بھی پسند فرمایا ہے کہ اگر کسی کو ہدیہ دینے کا جی چاہے تو اسے نقد روپے دیدو تاکہ وہ اس سے اپنے حسب حال اور ضرورت سامان لے لے۔ لیکن آج کل لوگ اسے معیوب سمجھتے ہیں، ہدیہ میں سامان اور چیزوں کا دینا ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سامان اور چیزوں کی بہ نسبت نقد روپے دینا آسان بھی ہے لیکن لوگ سمجھتے نہیں، یہ سب دینی فہم کی کمی کا نتیجہ ہے۔ اور اگر ہدیہ میں کوئی چیز ہی دینی ہے تو جسے ہدیہ دینا ہو اس کی پسند اور ضرورت معلوم کی جائے، نہ سمجھ میں آئے تو اس کے متعلقین سے معلوم کی جائے۔ مثلاً شیخ کو ہدیہ دینا ہے تو ان کا مزاج اور پسند معلوم کرلے، نہ معلوم ہو تو قریبی احباب سے معلوم کرلے، خدام سے معلوم کرلے کہ یہ لوگ حضرت کی پسند اور ضرورت سے واقف ہوتے ہیں۔ ممکن ہے اس وقت حضرت کو گھر میں استری کی ضرورت ہو کہ گفتگو کے دوران آپ استری خریدنے کی بات کررہے تھے۔ اب اگر کوئی اس وقت حضرت کو استری بدیہ پیش کرے تو حضرت کا جی کتنا خوش ہوگا، دینے والے کے حق میں دل سے دعا نکلے گی۔ اس کے علاوہ اس میں یہ فائدہ بھی

ہوگا کہ حضرت کا ایمان اور یقین اللہ کی ذات پر اور بڑھ جائے گا کہ مجھے ستری کی ضرورت تھی، اللہ پاک نے میری اس ضرورت کو پورا فرمادیا۔ لیکن اب لوگوں کے پاس نہ اتنا فہم ہے اور نہ ان سب باتوں کے سوچنے کی فرصت ہے، ہر جگہ غفلت کا عالم ہے۔ میاں! جب نماز ہی میں غفلت ہے تو اس کا اثر تو سب جگہ پڑ کر رہے گا کہ ہر جگہ اور ہر شعبہ میں غفلت طاری رہے گی۔

نمازی کو کیا ملتا ہے؟

ارشاد فرمایا: کہ جب بندہ اللہ کی یاد کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اللہ پاک اس سے خوش ہوتے ہیں: اسے پیار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جب اسے وہاں سے پیار ملتا ہے تو یہ بھی دنیا میں پیار بانٹتا ہے اور جب بندہ غفلت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اللہ پاک اس سے ناراض ہوتے ہیں، اس پر غصہ ہوتے ہیں، جب اسے وہاں سے غصہ ملتا ہے تو پھر یہ بھی دنیا میں غصہ ہی بانٹتا ہے۔

دوستو! ذرا غور کریں کہ ہمیں جو ہر وقت غصہ آتا ہے کہ بیوی پر غصہ، ملازموں پر غصہ، پڑوسیوں پر غصہ، رشتہ داروں پر غصہ، دوست احباب پر غصہ، اور اگر استاذ ہیں تو شاگردوں پر غصہ، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری غفلت والی نمازوں کے سبب اللہ پاک ہم سے ناراض اور ہم پر غصہ ہیں اسی غصہ کے سبب ہم بھی ہر جگہ ناراضی اور غصہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اللہ پاک کس چیز کے کفیل ہیں؟

ارشاد فرمایا: کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھ لیتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے دن بھر کے کاموں کے کفیل ہوجاتے ہیں۔ حدیث پاک میں اس کفالت کی

کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ کن کاموں کے کفیل ہوں گے بلکہ یہ کفالت علی الاطلاق بتائی گئی ہے جو تمام شعبوں کو شامل ہے۔ روزی کے بھی کفیل ہوں گے، عزت کے بھی کفیل ہوں گے، اگر مقروض ہوں گے تو قرض کی ادائیگی کے بھی کفیل ہوں گے، اگر کچھ بیچنا چاہو گے تو سامان اچھی قیمت پر بکوانے کے بھی کفیل ہوں گے، اگر کچھ خریدنا چاہو گے تو سامان مناسب قیمت پر دلانے کے بھی کفیل ہوں گے، غرض ہر ہر شعبہ سے متعلق کفالت کا وعدہ ہے لیکن کوئی اس عمل کو اہم سمجھ کر یقین کے ساتھ اس کا اہتمام تو کرے، پھر دیکھے کس طرح اللہ رب العزت کی مدد اور نصرت ہر جگہ شامل حال ہوتی ہے۔ یقین کے ساتھ اس پر عمل کرنے والے ہر جگہ اور ہر شعبہ میں اللہ کی مدد و کفالت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

طلباء کو نصیحت

ارشاد فرمایا: کہ معاصی سے اجتناب ہر حال میں ضروری ہے، خصوصاً طالبعلمی کے زمانہ میں تو اس کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ جب معاصی کے ارتکاب کے ساتھ علم حاصل کیا جاتا ہے تو اس علم کے انوارات بجھ جاتے ہیں، پھر اس علم سے کبھی نفع نہیں ہوتا۔

میرا چندہ کا معمول

ارشاد فرمایا: کہ جس طرح دباؤ بنا کر یا اپنی دینی وجاہت کا اثر ڈال کر چندہ کرنا مناسب نہیں اسی طرح اپنی باتوں کے ذریعہ لوگوں کے جذبات بنا کر بھی ان سے چندہ نہ کرنا چاہئے۔ میری عادت ہے کہ جب میں نوجوانوں اور خصوصاً دین سے مناسبت رکھنے والے نوجوانوں کو کسی جگہ جمع دیکھتا ہوں تو ان سے کچھ دینی گفتگو کرتا ہوں۔ میری ان باتوں کو سن کر ان کے جذبات بنتے ہیں، پھر وہ جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے چندہ دینا چاہتے

ہیں، ان میں سے بعضے بڑی رقموں کی پیش کش بھی کرتے ہیں۔ لیکن میں انکار کردیتا ہوں کہ اس وقت نہیں، میری باتوں کو سن کر اس وقت تمہارے اندر دینی راہ میں خرچ کرنے کے فوری جذبات بنے ہیں۔ میں اس طرح تمہیں جذبات سے مغلوب کرکے چندہ وصول کرنا نہیں چاہتا۔ ممکن ہے اس وقت تم جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے چندہ دو، پھر بعد میں پچھتاؤ کہ میں نے کس شخص کو چندہ دے دیا یا اتنا زیادہ کیوں دے دیا، لہٰذا اس چندہ کو دوسری ملاقات تک موقوف رکھو۔ جب دوبارہ ملاقات ہو اس وقت اگر تمہیں مناسب لگے تو چندہ دے دینا، اس وقت تک تمہارے جذبات بھی ٹھنڈے ہو چکے ہوں گے، اس وقت اگر تم چندہ دو گے تو تمہارا وہ چندہ جذباتی چندہ نہیں بلکہ مبنی بر اخلاص ہوگا۔ یہ میرا کوئی فتویٰ نہیں بلکہ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا، میرے بڑوں نے مجھے اس سے منع کیا ہے۔

درخواستِ دعا

ایک روز آپ فرمانے لگے کہ دعا کرو کہ مجھے صحت ہو جائے تاکہ میں خوب قرآن وحدیث پڑھوں، پڑھتا تو اب بھی ہوں لیکن خرابیٔ صحت کی بناء پر تسلسل کے ساتھ مجھ سے پڑھا نہیں جاتا، جوں جوں قرآن پڑھتا جاتا ہوں تو حید دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ کلام ہی سے صاحبِ کلام پہچانا جاتا ہے۔ بھئی! قرآن بھی تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے پھر اسے پڑھنے کے بعد کیونکر اللہ کی محبت اور معرفت حاصل نہ ہوگی؟ بس شرط یہ ہے کہ کوئی اسے اس نیت سے پڑھ کر دیکھے۔ قرآن کی تلاوت سے اللہ کی قدرت سمجھ میں آتی ہے، پھر دل میں اس کی محبت اور معرفت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اسے بھی اپنا معمول بنالیں

ایک روز مجلس کی ابتداء میں آپ نے ٹوپی ٹھیک کرنے کی غرض سے اتاری، پھر اسے بسم اللہ کہہ کر دوبارہ پہنا، پھر حاضرین سے دریافت فرمایا کہ ٹوپی پہنتے وقت بسم اللہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ پھر از خود فرمایا کہ جس طرح ہم کرتا پائجامہ پہنتے ہوئے بسم اللہ پڑھتے ہیں اسی طرح ہمیں ٹوپی پہنتے ہوئے بھی بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔ عام طور سے لوگ کرتا پائجامہ پہنتے ہوئے تو بسم اللہ پڑھتے ہیں لیکن ٹوپی پہنتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم کھانا کھاتے ہوئے تو بسم اللہ پڑھتے ہیں لیکن چائے پیتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں، حالانکہ ہمیں چائے پیتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔

دنیا اور آخرت کا امتحان

اسکول اور کالج کے امتحانات قریب تھے، انہی دنوں آپ نے بعد نمازِ فجر ایک مجلس میں ارشاد فرمایا: کہ آج کل ہر شخص ایک دعا کرا رہا ہے کہ دعا کر دیجئے میرا اچھا امتحان میں کامیاب ہو جائے، نوجوان ملتے ہیں تو کہتے ہیں دعا کر دیجئے ہم امتحان میں کامیاب ہو جائیں۔ ہمارے شیخ حضرت اقدس مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی لوگ اسی طرح اپنی اپنی ضروریات سے متعلق دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہاں ہاں ضرور کروں گا، پھر فرماتے کہ دعا میں بندہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لوگ دعا کی درخواست کرکے گویا مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کی طرف متوجہ ہو جایئے، تو ایک خیر کے کام کی طرف متوجہ ہونے کو کہتے ہیں، بھلا مجھ کو خیر کے کام کی طرف متوجہ ہونے میں کیا تامل ہے؟ چونکہ امتحانات کا زمانہ ہے اس لئے ہر شخص کی زبان پر بس یہی دعا ہے کہ دعا کر دیجئے میرا بچہ پاس ہو جائے، نوجوان بچے بھی ملاقات پر یہی درخواست کرتے ہیں

کہ دعا کر دیجئے ہم پاس ہو جائیں۔ اگر پوچھیں کہ امتحان کی کچھ تیاری بھی کر رہے ہو؟ تو کہتے ہیں جی تیاری بھی کر رہے ہیں۔

دوستو! اس دنیوی زندگی میں ہمارا بھی ایک امتحان ہو رہا ہے بلکہ اس روئے زمین پر بسنے والے ہر انسان کا ہو رہا ہے جس کا رزلٹ مرنے کے بعد پاس یا فیل کی صورت میں ہمارے سامنے آئے گا۔ دنیا میں کوئی طالب علم اگر کسی سبجیکٹ میں فیل ہو جائے تو اسے اس سبجیکٹ میں کامیاب ہونے کا دوبارہ موقع ملتا ہے، وہ اس سبجیکٹ کی دوبارہ تیاری کرکے پھر امتحان دیتا ہے اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ لیکن مرنے کے بعد جو رزلٹ آئے گا اسے کبھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا، وہاں کا پاس ہمیشہ پاس رہے گا اور وہاں کا فیل ہمیشہ فیل رہے گا۔ اسکول اور کالج کے امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے طلباء اپنے طور پر بہت کچھ تیاریاں بھی کرتے ہیں جبکہ اس میں ناکامی کے بعد بھی کامیاب ہونے کا موقع ملتا ہے۔ ہم ان کی تیاریوں کو دیکھ کر اپنا محاسبہ کریں کہ کیا ہم بھی اپنے اس امتحان کی کچھ تیاری کر رہے ہیں جس میں ناکامی کے بعد کبھی کامیابی کا موقع نہیں ملے گا؟ اگر محاسبہ کریں تو شاید جواب نفی میں ملے گا۔ حالانکہ اسکول اور کالج کے امتحان کی بہ نسبت اس امتحان کی تیاری بہت آسان بھی ہے۔ آسان اس لئے ہے کہ اسکول اور کالج کے امتحانات میں سوالات نہیں بتائے جاتے کہ کیا پوچھا جائے گا، بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ تم اپنے طور پر تیاری کرو ہم کہیں سے بھی پوچھیں گے۔ لیکن اس کے برعکس اللہ پاک نے ہم پر یہ مہربانی فرمائی کہ ہم سے آخرت میں جو سوالات کئے جانے ہیں وہ ہمیں دنیا ہی میں بتا دیئے کہ ہم تم سے یہ یہ سوالات پوچھیں گے۔ سوالات بتلا دیئے جانے کے بعد تو ان کی تیاری کرنا بہت

آسان ہے، اب بھی اگر کوئی تیاری نہ کرے تو یہ اس کی کم فہمی اور بدنصیبی کی بات ہے۔

دیکھئے! حدیث پاک کے مفہوم میں یہ بات ملتی ہے کہ قبر میں ہر شخص سے تین سوال ہوں گے۔

(۱) مَنْ رَبُّکَ تمہارا رب کون ہے؟

(۲) مَا دِیْنُکَ تمہارا دین کیا ہے؟

(۳) مَاتَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ ؟ حضرت نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کا چہرۂ انور دکھایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کیا انہیں پہچانتے ہو؟ سوالات معلوم ہو جانے کے بعد ان کی تیاری کرنا آسان ہو جاتا ہے، خصوصاً آج کے زمانہ میں دعوت وتبلیغ کے عنوان سے جو محنت سارے عالم میں چل رہی ہے اس میں لگ کر ان سوالوں کی تیاری کرنا تو بہت ہی آسان ہے۔

یقین کی سطح

دیکھئے! آدمی کے یقین کی سطح گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے، کبھی تو یقین بہت اونچی سطح پر ہوتا ہے کہ ہر وقت اللہ کی قدرت اور اسی سے ہونے کا یقین دل میں ہوتا ہے اور کبھی یہ سطح بہت گھٹ جاتی ہے کہ اسباب سے کام بنتے نظر آنے لگتے ہیں اور اللہ ہی سے ہونے کا یقین کچھ کمزور سا ہو جاتا ہے۔ اس دعوت وتبلیغ کی محنت میں آدمی کو لگا کر اس کے ایمان اور یقین کی سطح کو بڑھایا جاتا ہے۔ جب آدمی مسلسل مسجد والے ماحول میں رہ کر اللہ کی قدرت اور اس کی طاقت کو بولتا اور سنتا رہتا ہے، بزرگانِ دین کے حالات اور واقعات کو سنتا رہتا ہے تو اس کا ایمان اور یقین اللہ کی ذات پر پختہ ہو جاتا ہے، اس کے دل کی گہرائی میں یہ یقین بیٹھ جاتا ہے کہ پرورش کرنے والی ذات اللہ کی ہے، نفع نقصان کے مالک اللہ ہیں،

عزت اور ذلت دینے والے اللہ ہیں، اللہ رب العزت مختارِ کل ہیں سب کچھ کے بغیر سب
کچھ کرسکتے ہیں اور ساری دنیا مل کر اللہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں سکتی، اسی یقین کو دل کی
گہرائی میں بٹھانے کے لئے دردر بھٹکایا جاتا ہے۔ جب ہم اس محنت میں اپنے کو لگائیں
گے تو قبر کے اس پہلے سوال کا جواب دینا ہمارے لئے آسان ہوگا۔ اسی طرح اس محنت میں
لگ کر آدمی کے اندر دین پر چلنے کی استعداد اور اس کو سیکھنے کی فکر پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ
دھیرے دھیرے علماءِ کرام سے پوچھ پوچھ کر دینی احکام ومسائل پر مطلع ہوتا جاتا ہے کہ
کس وقت کیا کرنا ہے اور کس وقت کیا نہیں کرنا۔ اس طرح اسے قبر کے دوسرے سوال کے
جواب کی تیاری کرائی جاتی ہے۔ لیکن ان احکام ومسائل پر کیسے عمل کرنا ہے، اس کا طریقہ
کیا ہوگا؟ تو اس کے لئے سنتیں سکھائی جاتی ہیں کہ اس عمل کو اس طرح انجام دینا ہے اور اس
عمل کو اس طرح انجام دینا ہے۔ آج کے دور میں دعوت وتبلیغ کی محنت اللہ رب العزت کی
مہربانیوں میں ایک بہت بڑی مہربانی ہے جو اس امت پر کی گئی ہے، اس محنت میں لگ کر
آدمی کے لئے قبر کے تینوں سوالوں کے جوابات آسان ہوجاتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کا کام آج کے دور میں

دوستو! اسی لئے کہتا ہوں کہ آج کے حالات میں اس دعوت وتبلیغ کی محنت کو اپنے
حق میں بہت بڑی خیر اور غنیمت سمجھیں، اپنی اور اپنے بچوں کی ترتیب بنا کر اس میں
نکلیں۔ اسکول اور کالج کے امتحانات کے بعد عموماً لوگ گھومنے پھرنے یہاں وہاں چلے
جاتے ہیں، اپنا اور بچوں کا قیمتی وقت یونہی ضائع چلا جاتا ہے۔ یہاں وہاں گھومنے کے
بجائے ہم انہیں اللہ کے راستہ میں نکالیں تاکہ وہ اپنے رب کو پہچانیں، اس کا دین سیکھیں،

حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک طریقوں سے واقف ہوں۔ اس طرح ان کی
دنیوی زندگی بھی پرسکون ہو اور مرنے کے بعد جب اس دنیوی زندگی کے امتحان کا رزلٹ ہاتھ
میں آئے تو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں مل کر پاس ہونے کا تمغہ اور پروانہ بھی ملے۔ ہم ان کے
اسکول اور کالج کے امتحانات کے لئے کیسے متفکر اور پریشان رہتے ہیں جبکہ یہاں کی کامیابی
نہ ہمیشہ کی کامیابی ہے اور نہ یہاں کی ناکامی ہمیشہ کی ناکامی، اصل مسئلہ تو آخرت کی کامیابی او
رناکامی کا ہے۔ ہم ان کے اسکول اور کالج کے امتحانات کی فکر کے ساتھ ساتھ اپنی اور ان کی
آخرت کے سنوارنے کی بھی فکر کریں، کیا ہمیں یہ پسند ہے کہ ہم اپنی اولاد کو جہنم کی آگ
میں جلتا دیکھیں؟ ہرگز نہیں، پھر ہم کیونکر ان کی آخرت کے سنوارنے سے غافل ہیں؟

خطرہ کی بات

ایک روز کپاڈیہ نگر کی مسجد میں بیان سے قبل اچانک بجلی غائب ہوگئی، اس پر آپ
نے برجستہ فرمایا: کہ دیکھو! اب تک بجلی موجود تھی جس کی وجہ سے پوری مسجد میں روشنی تھی،
اچانک بجلی غائب ہوگئی جس کی وجہ سے پوری مسجد میں تاریکی اور اندھیرا چھا گیا۔ اس روشنی
اور تاریکی کا احساس ہمیں اس لئے ہو کہ ہمارے پاس بصارت اور ظاہری بینائی موجود ہے
جس کی وجہ سے ہمیں روشنی اور تاریکی کا فرق محسوس ہوا۔ ایسے ہی ایمان بھی ایک روشنی
ہے، اس کے بالمقابل کفر اور معصیت تاریکی ہے۔ پس جس کے پاس ایمان ہوتا ہے اس
کے پاس روشنی ہوتی ہے، اسے ایمان کی موجودگی میں کفر اور معصیت اچھی نہیں لگتی۔ مومن
کو کبھی گناہ اچھا نہیں لگتا، وہ گناہ کے قریب جاتے ہوئے بھی گھبراتا ہے۔ ہاں نفس اور
شیطان کے دھوکہ میں آکر اگر کبھی اس سے گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو وہ اس قدر نادم اور شرمندہ

ہوتا ہے کہ اس کے سی پچھتاوے پر اللہ رب العزت اسے معاف فرما دیتے ہیں، لیکن وہ کبھی جان کر گناہ نہیں کرتا۔ گناہ کے بعد نہ پچھتانا اور بلا جھجک گناہ کئے جانا بہت خطرہ کی بات ہے کہ پتہ نہیں ایمان کی روشنی موجود ہے یا سلب کر لی گئی۔ اس لئے کہ روشنی کی موجودگی میں کبھی تاریکی نہیں آتی، تاریکی اسی وقت آتی ہے جب روشنی رخصت ہو چکی ہو۔ اسی طرح ایمان کی موجودگی میں کبھی گناہ اچھا لگ ہی نہیں سکتا۔ گناہ کا اچھا لگنا یہ بتاتا ہے کہ یا تو ایمان رخصت ہو چکا یا اگر موجود بھی ہے تو اس کی سطح حد درجہ نیچے آ چکی ہے۔ اسی لئے کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ مومن بھلائی کرنے کے بعد بھی گھبراتا ہے کہ پتہ نہیں قبول بھی ہوگی یا نہیں، اور کافر بلا جھجک گناہ کئے جاتا ہے اور اسے کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا۔

نفس اور شیطان

ارشاد فرمایا: کہ نفس کا کام صرف گناہ کی طرف مائل کرنا ہے، پس اس کے مائل کرنے پر جوں ہی بندہ کی طبیعت گناہ کی طرف چلتی ہے نفس فوراً شیطان کو اشارہ کرتا ہے کہ میں نے اپنا کام کر دیا، یہ بندہ گناہ کی طرف چلنے پر آمادہ ہے لہٰذا اب تو اس کا ہاتھ پکڑ اور اسے گناہ کی طرف چلا۔ پھر شیطان اس کی ذہن سازی کر کے اسے اس گناہ تک لے جاتا ہے۔ لیکن اگر نفس کے مائل کرنے پر بندہ گناہ کی طرف مائل نہیں ہوتا اور تھوڑی ہمت اور مجاہدہ کر کے نفس کی مخالفت کر لے جاتا ہے تو پھر رحمٰن اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے چلاتا ہے کہ تو میری طرف چلنا چاہتا ہے، میں خود تجھے اپنی طرف کھینچ لوں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے بندہ از خود نفس کی مخالفت کر کے رحمٰن کی طرف چلنے کا ارادہ کرے۔

اس بات کو ایک مثال سے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ فجر کی اذان مسجدوں میں

عموماً آدھا گھنٹہ قبل ہوتی ہے۔ جب فجر کی اذان ہوتی ہے تو آنکھ کھلتے ہی دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ ابھی تو جماعت میں آدھا گھنٹہ باقی ہے، استنجاء، وضو اور دو سنت پڑھ کر مسجد جانے میں صرف دس منٹ لگتے ہیں لہٰذا بیس منٹ اور سو لو۔ یہ خیال تقریباً ہر ایک کو آتا ہے اور روزانہ آتا ہے۔ یہ خیال کون ڈالتا ہے؟ اور یہ کس کی آواز ہوتی ہے؟ دوستو! یہ خیال نفس پیدا کرتا ہے، یہ نفس کی آواز ہوتی ہے۔ نفس اور شیطان ہمارے یہ دونوں دشمن اتنے مستعد اور چوکنے رہتے ہیں کہ یہاں ہماری آنکھ کھلی اور وہاں انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ہماری آنکھ کھلتے ہی یہ دونوں دھوکہ دینے والا اپنا عمل شروع کر دیتے ہیں اور رات میں آنکھ بند ہونے تک مسلسل اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ایک ہم ہی ایسے ہیں جو اتنے مستعد دشمنوں سے بھی ہمہ وقت غافل رہتے ہیں۔ جب آنکھ کھلی اور نفس نے دل میں یہ خیال پیدا کیا اور بندہ نے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے جہاں سستی کا مظاہرہ کیا تو فوراً نفس شیطان کو اشارہ کرتا ہے کہ دیکھ! دل میں خیال پیدا کر کے میں نے اسے سستی میں مبتلا کر دیا ہے، اب آگے سے سلائے رکھنا تیرا کام ہے۔ شیطان آگے بڑھتا ہے اور دھیرے دھیرے سر پر تھپکی دینا شروع کرتا ہے، ہاتھ پیر دابتا ہے تاکہ یہ سویا پڑا رہے۔ اس طرح اسے تھپکی دے کر اور اس کے ہاتھ پیر داب کر اس کی نماز قضا کروا دیتا ہے، اگر یہ نہ کر سکا تو جماعت فوت کرا دیتا ہے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکا تو کم از کم تکبیر اولیٰ فوت کرا دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے، بڑا نقصان نہ پہنچا سکے تو چھوٹا نقصان اور چھوٹا نقصان نہ پہنچا سکے تو اس سے چھوٹا نقصان پہنچاتا ہے۔ نقصان پہنچے خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ یہ عمل روزانہ ہوتا ہے کہ فجر کی اذان ہوتے ہی نفس ہمارے دل میں خیال پیدا کرتا ہے اور ہم اس خیال کی تائید کرتے ہوئے سستی کرتے ہیں، سوئے پڑے رہتے ہیں۔ لیکن جب بندہ نفس

کے دھوکہ میں نہیں آتا، اس کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں اذان ہوچکی ہے اب کیا سونا؟ میرے اللہ نے مجھے اپنے گھر میں بلایا ہے۔ اس طرح تھوڑی ہمت کا مظاہرہ کرتا ہے تو پھر اللہ پاک کی رحمت اس کی جانب متوجہ ہوتی ہے، پھر اسے اللہ پاک سونے نہیں دیتے؛ اٹھ کر اپنے گھر آنے کی توفیق دیتے ہیں۔ بس بندہ تھوڑی ہمت ومجاہدہ کرکے اللہ پاک کی طرف چلنا شروع کرے پھر اللہ پاک کی رحمت خود اس کی جانب کھنچی چلی آتی ہے۔ میں یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دیکھئے! حدیث پاک کے مفہوم میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ جب بندہ اللہ کی طرف ایک بالشت چلتا ہے تو اللہ پاک اس کی طرف ایک ہاتھ آتے ہیں، جب بندہ اللہ کی طرف ایک ہاتھ چلتا ہے تو اللہ پاک اس کی طرف ایک بانہ آتے ہیں؛ اور جب بندہ اللہ پاک کی طرف چل کر آتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔

امت کے حق میں ایک ہمدردانہ آواز

ارشاد فرمایا: کہ آج کل لوگ تبلیغی جماعت کی چلو چلو والی آواز پر کہتے ہیں کہ کیا یہ تبلیغی جماعت والے چلو چلو کی آواز لگاتے ہیں، انہیں کوئی کام دھندہ ہے کہ نہیں، بس چلو چلو کی رٹ لگائے رہتے ہیں۔

دوستو! اگر آج ہم نے اس چلو چلو والی آواز پر لبیک نہیں کہا اور اپنا گھر نہیں چھوڑا تو ایک دن تو یقینا ایسا آنے والا ہے جب لوگ کہیں گے اسے لے چلو، (یعنی موت کے بعد) تب بھی تو آخر ہمیں اپنا گھر چھوڑنا ہی پڑے گا۔ آج کی چلو چلو میں لوگ ہمارے ساتھ ہوں گے، پوری جماعت ساتھ ہوگی، کھانے پینے میں، اٹھنے بیٹھنے میں؛ دکھ سکھ میں پوری جماعت ساتھ ساتھ رہے گی اور اس وقت کی لے چلو میں کوئی ہمارے ساتھ

نہیں آئے گا۔ تنہائی ہوگی، قبر کی تاریکی ہوگی، وحشت ہوگی، کھڑکی اور روشنی کا کوئی انتظام نہ ہوگا۔ ایسے وحشت ناک اور تاریک گھر میں لوگ ہمیں لے جاکر چھوڑ آئیں گے۔ اور جسے آج کی چلو چلو میں چلنے کی عادت ہوگی وہ اس دن بھی خوشی خوشی چلنے پر آمادہ ہوجائے گا کہ مجھ سے چلنے کے لئے کیا پوچھتے ہو، میں تو ساری زندگی چلتا ہی رہا ہوں اور لوگوں کو چلنے کی دعوت بھی دیتا رہا ہوں۔

دوستو! آج موقع ہے، فرصت ہے، یہ تبلیغی جماعت کے احباب ہمارے گھروں پر آکر ہماری ٹھوڑیوں میں ہاتھ ڈال کر ہمیں سمجھاتے ہیں کہ چلو نکلو، کچھ دین سیکھ لو، اپنی عاقبت کی کچھ فکر کرلو۔ ان بے چاروں کا ہم پر احسان ہے کہ وہ بلا کسی غرض اور مفاد کے ہماری خوشامد کرتے ہیں، ہمارے ساتھ ہمدردی جتاتے ہیں، یہ ہمارے محسن ہیں جو ہمارے دین کی فکر کرتے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ اپنے محسنوں کو دیکھ کر بھاگتے ہیں، انہیں دیکھ کر راستہ بدل دیتے ہیں، ان کے متعلق الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن یہ بے چارے ہماری کسی الٹی سیدھی کا برا نہیں مانتے اور ہزار ڈانٹ ڈپٹ سننے کے باوجود پھر ہماری خوشامد کرنے چلے آتے ہیں۔ یہ ان کی کتنی بڑی مہربانی ہے، کیا ایسا بھی کوئی محسن ہوسکتا ہے؟

جو ان کی چلو چلو پر لبیک کہتے ہوئے ایک مرتبہ نکل جاتا ہے تو وہ خود بھی آکر چلو چلو کی رٹ لگانے لگتا ہے۔ اس وقت امت پر اللہ رب العزت کی مہربانیوں میں ایک بڑی مہربانی یہ دعوت وتبلیغ کا کام ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے سارے عالم میں چلا رکھا ہے۔ جو شخص جس قدر اپنے کو محتاج بنا کر اور اصول کی پوری رعایت کے ساتھ اس میں چلتا رہے گا یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ پاک اس کی اصلاح نہ

فرمائیں، اللہ پاک ضرور اس کی اصلاح فرمائیں گے۔ اور نہ صرف اس کی اصلاح فرمائیں گے بلکہ اسے بہتوں کی ہدایت کا ذریعہ بھی بنائیں گے۔ اس کام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں صرف ایک مرتبہ نکل جانے سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ میں دیندار نہیں ہوں، میں پکا مسلمان نہیں ہوں اور پھر صحیح معنوں میں مسلمان بننے کی فکر اس پر سوار ہو جاتی ہے، یہ اس کام کا کیا کم نفع ہے؟

دوستو! اللہ پاک کے یہاں پکے مسلمان کی قدر ہے، جو پکا مسلمان بن کر جائے گا وہی قبر میں راحت پائے گا، پل صراط کی منزل اسی کے لئے آسان ہوگی، حشر میں وہی کامیاب ہوگا۔ جس طرح مٹی کے برتن کو ٹھونک کر دیکھا جاتا ہے کہ یہ کچا ہے یا پکا، پکا ہوتا ہے تو لے لیتے ہیں اور کچا ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح فرشتے بھی قبر میں آکر تین سوالوں کے ذریعہ بندہ کو ٹھونک کر دیکھیں گے کہ یہ کچا مسلمان ہے یا پکا۔ گر پکا ہوگا تو پھر اس کے لئے راحت ہی راحت ہوگی، قبر اس کے لئے تاحد نگاہ کشادہ ہو جائے گی، جنت کا بستر اس کے لئے لگا یا دیا جائے گا، جنت کی کھڑکیاں اس کے لئے کھول دی جائیں گی، جہاں سے اس کے لئے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آئیں گی۔ غرض یہ کہ قبر ہی کی منزل سے اس کے لئے راحت کے فیصلے کر دیے جائیں گے۔ اور اگر بندہ ان سوالوں کے جوابات نہ دے سکا یعنی کچا مسلمان ثابت ہوا تو پھر وہیں سے اس کی پٹائی شروع ہو جائے گی، اور پھر تا قیام قیامت اس پٹائی کا سلسلہ جاری رہے گا۔

دوستو! تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس وقت امت کی عمومی اصلاح اور ان میں دین کی سچی طلب اور فکر پیدا کرنے کے لئے اس راستہ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں

ہے۔ خدارا! اپنے اور اپنے بچوں کے حال پر رحم کھاتے ہوئے خود کو اور اپنے بچوں کو اس کام میں جھونک دیں تاکہ قبر کے عذاب اور آخرت کی رسوائی سے حفاظت ہو سکے۔

بلایا ہوا مہمان

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ مہمان چاہے جیسا ہو میزبان اس کا اکرام کیا ہی کرتا ہے، اگر مہمان بلا اطلاع کے پہنچے یا بے وقت آجائے تو ممکن ہے میزبان پوچھ بھی لے کہ بھائی! اچانک کیسے آنا ہوا؟ لیکن چونکہ مہمان ہے اس لئے کہے گا کہ اچھا ہوا آپ آگئے، بڑے دنوں کے بعد تشریف لائے، پھر حسب حیثیت اور حسب موقع اس کا اکرام کرے گا۔ لیکن اگر مہمان میزبان کی دعوت پر آیا ہے تو پھر تو اکرام کا کیا پوچھنا؟ جو کچھ اس کے بس میں ہوگا اور جو کچھ اس سے بن پڑے گا وہ مہمان کی خدمت میں پیش کرے گا۔ اس کے بعد بھی مہمان سے پوچھے گا کہ بھائی! اور کسی چیز کی ضرورت ہے؟ اگر ضرورت ہو تو بلا تکلف کہئے گا۔ ٹھیک اسی طرح حاجی بھی اللہ رب العزت کا بلایا ہوا مہمان ہوتا ہے، وہ بغیر بلائے اس در بار تک نہیں پہنچتا۔ جب ہم اپنے بلائے ہوئے مہمان کی خدمت اور ضیافت اپنی حیثیت سے بڑھ کر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو کیا اللہ رب العزت اپنے بلائے ہوئے مہمانوں کی ضیافت اپنی شان کے مطابق نہیں کریں گے؟

چنانچہ اس سال حج میں میں نے اللہ پاک سے کہا کہ یا اللہ! میں آپ کے گھر خود سے نہیں آیا ہوں، آپ نے مجھے بلایا ہے، میں آپ کا بلایا ہوا مہمان ہوں، آپ میرے میزبان ہیں اور ایسے میزبان ہیں جو کسی چیز کے دینے سے عاجز نہیں ہیں؛ لہٰذا سب سے پہلے تو آپ مجھے ظاہر و باطن کی وہ تمام نعمتیں عطا فرما دیجئے جس کی مجھے ضرورت ہے۔ اس

لئے کہ آپ میری حاجتوں اور ضرورتوں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس کے بعد میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے مل جائیے، میں آپ سے آپ کو مانگتا ہوں۔ یا اللہ! آپ مجھے مل جائیے، اپنا بنا لیجئے، اپنا کامل تعلق نصیب فرمائیے، میرے دل میں اپنی یاد بسا دیجئے، اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سچی محبت نصیب فرمائیے جو باقی تمام محبتوں پر غالب آجائے۔ اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مجھے دیوانہ بنا دیجئے، ایسی دیوانگی جیسے آپ نے صحابۂ کرام کو عطا فرمائی تھی۔ پھر فرمایا کہ اس دعا سے مجھ کو بڑا ہی نفع ہوا، دعا کے وقت مجھ پر ایک ایسا کیف طاری تھا جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

بد نگاہی کی سزا

ارشاد فرمایا: کہ نگاہ کی حفاظت ایک ایسا عمل ہے کہ اس پر اللہ پاک کی جانب سے ایمان کی حلاوت دیئے جانے کا وعدہ ہے، ذرا سوچئے کہ یہ عمل اللہ پاک کے یہاں کتنا گراں قدر اور کس قدر پسندیدہ ہے کہ اللہ پاک نے اس پر ایمان کی حلاوت دینے کا وعدہ فرمایا ہے کہ میرے بندہ کی تمام تر محبتوں کا محور میری ذات ہی ہے۔ وہ میرے علاوہ کسی پر محبت کی نگاہ ہی نہیں ڈالتا۔ جب یہ اس قدر مہتم بالشان اور عظیم المرتبت عمل ہے تو پھر سوچئے بدنگاہی اللہ کی نگاہ میں کس قدر مبغوض اور ناپسندیدہ ہوگی، اللہ پاک کو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کا بندہ اپنے خالق اور مالک سے محبت کرنے کے بجائے کسی فانی بلکہ گلنے اور سڑ جانے والے چہرہ پر محبت کی نگاہ ڈالے۔ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ بندہ کسی گناہ کے سبب اللہ پاک سے اتنا دور نہیں ہوتا جتنا بدنگاہی کی وجہ سے دور ہو جاتا ہے۔ یہ کس قدر

سنگین گناہ ہے کہ بندہ کو اس کی حقیقی سزا تو آخرت میں ملے گی لیکن اس کا کچھ نہ کچھ خمیازہ اسے دنیا میں بھی بھگتنا پڑے گا خواہ ایک عرصہ کے بعد بھگتے لیکن ضرور بھگتے گا۔

چنانچہ کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ساتھ میں ان کا مرید بھی تھا، راستہ چلتے ایک خوبصورت امرد لڑکے پر اس مرید کی غلط نگاہ پڑ گئی، اس نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ حضرت! کیا اللہ پاک ایسے خوبصورت چہرہ والے کو بھی جہنم کی آگ میں جلائیں گے؟ شیخ نے دریافت فرمایا کہ کیا تو نے اسے بری نگاہ سے دیکھا تھا؟ مرید سچا تھا اس نے حقیقتِ حال بیان کر دی کہ جی حضرت! میں نے اسے بری نگاہ سے دیکھا تھا۔ فرمایا تجھے اس گناہ کی سزا ضرور ملے گی۔ چنانچہ بیس سال بعد اسے اس گناہ کی سزا ملی اور وہ قرآن پاک بھول گیا۔ دیکھئے! صرف ایک مرتبہ غلط نگاہ ڈالی تھی اور وہ بھی کسی حسین و جمیل دوشیزہ پر نہیں بلکہ ایک امرد لڑکے پر جس کی سزا بیس سال کے بعد ملی کہ حفظِ قرآن کی نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ جب ایک امرد لڑکے پر صرف ایک مرتبہ غلط نگاہ ڈالنے کا ایسا عبرتناک انجام ہوا تو پھر سوچئے جو شخص رات اور دن ان نمکین چہروں کو دیکھنے میں لگا رہتا ہو وہ کس قدر دردناک اور عبرتناک سزا کا مستحق ہوگا الامان والحفیظ۔

ایک کام کی بات

اس واقعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بدنگاہی کتنا سنگین گناہ ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے حفظِ قرآن کی نعمت سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے لوگوں کو عموماً اور حفاظ اور علماء کرام کو خصوصاً اس گناہ سے بہت بچنا چاہئے کہ کہیں وہ اس گناہ کی پاداش میں علم نبوت اور حفظِ قرآن کی نعمت سے محروم نہ کر دیئے جائیں۔ اسی طرح اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے

کہ اگر کوئی شخص اپنی نگاہ کی حفاظت کرتے ہوئے قرآن حفظ کرنا شروع کرے تو انشاءاللہ بہت جلد اسے یہ نعمتِ عظمٰی حاصل ہوجائے گی، یہ میرا اپنا تجربہ بھی ہے۔

چنانچہ میں نے خود دیکھا کہ میرے ایک دوست کی دوکان پران کا بھانجہ ان کے ساتھ کام کیا کرتا تھا، جہاں خواتین کے استعمال کی اشیاء فروخت ہوا کرتی تھیں۔ یہ شاید برسوں پرانی بات ہوگی، میرا اکثر ان کے یہاں آنا جانا تھا۔ جب کبھی میرا ان کی دوکان پر جانا ہوتا تو میں دیکھتا کہ ان کا بھانجہ آنے والی عورتوں کو ان کی مطلوبہ اشیاء اس طرح دکھلاتا کہ ان کی طرف بالکل نہیں دیکھتا، صرف انگلی سے شوکیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھتا کہ بہن! یہ آئٹم چاہئے، بہن! وہ آئٹم چاہئے، پھر نکال کر ان کی طرف اس طرح بڑھاتا کہ ایک مرتبہ بھی نگاہ ان کی جانب نہ اٹھتی۔ میں دور سے کھڑا یہ منظر دیکھتا رہتا، مجھے حیرت انگیز خوشی ہوتی کہ اللہ پاک نے اس نوجوان کو اس عمر میں کیسا تقوٰی عطا فرمایا ہے کہ جہاں اچھے اچھوں کی نگاہیں بہک جایا کرتی ہیں وہیں یہ نوجوان ایک مرتبہ بھی انہیں نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔

ایک طویل عرصہ کے بعد کسی نے اس نوجوان کا تذکرہ میرے سامنے حافظ جی کہہ کر کیا تو میں نے کہا کہ میں اس لڑکے کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ حافظ نہیں ہے، کیونکہ جس وقت وہ دوکان پر بیٹھتا تھا اس وقت وہ حافظ نہیں تھا۔ لوگوں نے بتلایا کہ وہ حافظ ہو چکا ہے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ واقعی حافظ ہو چکا ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا لیکن فوراً ہی خیال ہوا کہ یہ اسی عمل (نگاہ کی حفاظت) کی برکت تھی جس کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ اللہ پاک نے اسے حفظِ قرآن کی نعمت سے سرفراز فرمادیا۔

سب سے بہتر کون؟

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ ایک روایت میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ" جس کا مفہوم ہے کہ تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گھر والوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے پر لسانِ نبوت سے جو بہتر اور اچھے ہونے کا تمغہ ملا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کو گھر میں مکمل قابو اور اختیار ہوتا ہے، گھر کے دیگر افراد اس کے ماتحت ہوتے ہیں، گویا گھر میں اس کی حیثیت حاکم اور دیگر اہلِ خانہ کی حیثیت محکوم کی سی ہوتی ہے۔ اور جب کسی جگہ آدمی کی حیثیت حاکم کی ہوتی ہے تو وہ اپنی حاکمیت کے زعم میں اپنے تمام تر اختیارات کو استعمال کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ سارے ماتحت اس کی بات مانیں، اس کی رائے کو دوسروں کی رائے پر اولیت اور فوقیت حاصل ہو۔ اگر کوئی اس کی بات نہیں مانتا یا اس کی رائے سے اختلاف رکھتا ہے تو اسے اس پر غصہ آتا ہے کہ میں بڑا ہوں پھر بھی یہ میری رائے سے اختلاف کر رہا ہے؟ اس بڑے پن کے زعم میں عام طور پر لوگ حدودِ شرع سے تجاوز کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص گھر میں حاکم اور با اختیار ہوتے ہوئے اپنی رائے پر اصرار نہ کرے بلکہ جو دین اور شریعت کا حکم ہے اسی کے مطابق عمل کرے، اگر کبھی اسے ماتحتوں پر غصہ آجائے تو وہ اپنی حاکمیت کے بل پر غصہ کرنے کے بجائے اللہ کی رضا کی خاطر انہیں معاف کردے (جبکہ شرعاً معاف کرنے کی گنجائش بھی ہو) تو یقیناً ایسا شخص بزبانِ نبوت لوگوں میں سب سے اچھا اور بہتر ہوگا کہ وہ حاکم

اور با اختیار ہوتے ہوئے بھی گھر والوں کے ساتھ عفو و درگزر اور احسان کا معاملہ کر رہا ہے، اپنی حاکمیت کے زعم میں کسی جگہ حدودِ شرع سے تجاوز نہیں کرتا۔

حاکم نہیں عاشق بنئے

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنی گھر والی کے ساتھ بہت ہی نرمی کا معاملہ کرے، گھر میں حاکم بن کر نہیں عاشق بن کر رہے، کسی وقت اسے یہ احساس نہ ہونے پائے کہ میں اپنے گھر سے دور ہوں یا اپنا گھر چھوڑ کر آئی ہوں۔ خوب یاد رکھیں! کہ ظالم کو خدا کا تعلق کبھی نہیں ملتا۔

ایک قیمتی نصیحت

اسی طرح ایک موقع پر ایک صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری اہلیہ چونکہ نو مسلمہ ہے اس لئے تمہیں ان کے ساتھ مزید رعایت اور احسان کا معاملہ کرنا چاہئے۔ دیکھو! حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ میں بھی اس کی مثال ملتی ہے کہ آپ دوسرے صحابۂ کرام کی بہ نسبت بدری صحابۂ کرام کے ساتھ رعایت اور احسان کا معاملہ فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ اگر کوئی صحابی کسی بدری صحابی کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ان سے فرماتے کہ درگزر کرو، رعایت کرو دیکھتے نہیں کہ وہ بدری ہیں ان کی اس نسبت کا لحاظ رکھو۔ اسی طرح اور بہت سے مواقع پر آپ نے بدری صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب بیان فرما کر ان کی اس نسبت کو ملحوظ رکھا ہے اور انہیں ایک ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔ اور کیوں نہ ہوتا کہ بدری صحابۂ کرام نے اس وقت بے سروسامانی کے عالم میں اسلام کی

آبیاری اور فروغ کے لئے اپنے تن من دھن کی جو قربانی پیش کی ہے وہ پوری تاریخِ اسلام میں اپنی مثال آپ ہے۔ ٹھیک اسی طرح تمہاری اہلیہ بھی نو مسلمہ ہونے کی حیثیت سے اور اس بناء پر کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے بڑی قربانی پیش کی ہے اور بڑے صبر آزما حالات کا سامنا کیا ہے یقیناً زیادہ رعایت اور احسان کی مستحق ہے۔ اگر کبھی اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کی اس نسبت اور قربانیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے درگزر کر دیا کرو۔ رہی غلطیاں تو غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں؟! ہم خود رات دن غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی نافرمانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اگر ہماری ایک بات نہ ماننے کی وجہ سے ہم اپنی اہلیہ کو قصوروار اور سزاوار سمجھتے ہیں تو پھر ہم خود کس قدر قصوروار اور سزاوار ہوں گے جو رات دن اللہ پاک کی نافرمانیاں کرتے رہتے ہیں۔ بس یہی سوچ کر ان کی کمی زیادتی پر صبر کر لیا کرو اور ان سے درگزر کر دیا کرو، انشاء اللہ یہ عمل بھی باعثِ اجر و ثواب اور موجبِ روحانی ترقیات ہوگا۔

اصلاح کا ایک غیبی نظام

ارشاد فرمایا: کہ جب مرید میں طلبِ صادق ہوتی ہے اور وہ اس طلبِ صادق کے ساتھ شیخ کے پاس جاتا ہے تو اللہ پاک شیخ کی زبانی وہی باتیں کہلاتے ہیں جو مرید کی خامیوں اور کوتاہیوں سے متعلق ہوتی ہیں، مرید یہ سمجھتا ہے کہ شاید شیخ کو بذریعۂ کشف میرے احوال کا علم ہو گیا ہے لیکن یہ درحقیقت مرید کی اصلاح کا منجانب اللہ ایک انتظام ہوتا ہے کہ شیخ کے قلب پر مرید کے حسبِ حال ہدایات کا القاء اور ورود ہوتا ہے۔

جماعت میں وقت کیسے لگائیں؟

ایک مرتبہ ایک عالم نے آپ کو فون کیا اور کہا کہ آپ اپنی مجلسوں میں مسلسل تبلیغی جماعت میں نکلنے کی ترغیب دیتے ہیں جسے سن کر میں نے اب چلہ میں جانے کا ارادہ کرلیا ہے فلاں تاریخ کو روانگی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جماعت میں جانے سے قبل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سیکھ لوں کہ جماعت میں کس طرح وقت لگانا چاہئے۔ آپ نے یہ سوچ کر کہ ذی استعداد عالم ہیں، پہلی مرتبہ وقت لگا رہے ہیں، اگر یہ سیکھ کر نہ گئے تو ممکن ہے کسی نادان ساتھی کی کوئی نادانی انہیں گراں گزرے اور یہ کام ہی سے بدظن ہو جائیں۔ اس لئے آپ نے انہیں گھر پر ملاقات کے لئے بلایا جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے جماعت میں وقت لگانے کی ترتیب بالتفصیل ان کے سامنے بیان کی کہ کس طرح وقت لگایا جائے اور کیا سوچ کر لگایا جائے، ذیل میں اس گفتگو کے کچھ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

لٹنے کی ایک شکل

آپ نے فرمایا کہ ماشاء اللہ آپ تو عالم دین ہیں، سنت و شریعت کا علم رکھتے ہیں، مزاج بھی دینی ہے۔ جماعت میں پڑھے بے پڑھے ہر طرح کے لوگ چلتے ہیں، بعضوں کا دینی مزاج بھی نہیں ہوتا۔ ممکن ہے بعض ساتھی آپ کا کماحقہٗ اکرام نہ کر سکیں یا اپنی نادانی کی وجہ سے کوئی نامناسب بات کہہ گزریں یا نادانستگی میں کوئی گناہ ان سے سرزد ہو جائے۔ ایسے موقعوں پر نفس اور شیطان بہت تیزی سے اپنا کام کرتے ہیں، وہ آپ کے دل میں وسوسے ڈالیں گے اور آپ کو مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے کہ تم کیا سوچ کر جماعت میں آئے تھے اور یہ جماعت کے ساتھی کیسے نکلے۔ اس طرح وہ آپ کو دعوت کے کام سے بدظن کرنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا ایسے موقعوں پر آپ ان سے

بدظن ہونے کے بجائے ان کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کا مظاہرہ کریں، حسنِ تدبیر سے انہیں سمجھائیں اور اپنے دل میں یہ خیال کریں کہ یہ بے چارے ہمارے نادان ساتھی ہیں، اگر یہ دین کا صحیح علم اور فہم رکھتے تو شاید ایسا نہ کرتے۔ دوسرے پھر مولانا! کسی دوسرے کا گناہ دیکھ کر نفرت کے جو جذبات دل میں ابھرتے ہیں کہ ہم سے اللہ کی نافرمانی دیکھی نہیں جاتی، ہم اللہ کی نافرمانی برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ درحقیقت نفس کا بہت بڑا دھوکہ ہے کہ وہ آدمی کے دل میں دوسروں کے متعلق نفرت کے جذبات پیدا کر کے خود اسے اللہ کی نگاہ سے گرا دیتا ہے۔ لہٰذا جب کبھی کسی کا گناہ دیکھ کر نفرت کے جذبات دل میں ابھریں تو فوراً اسی وقت یہ سوچنا چاہئے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے کہ کیا اپنا گناہ دیکھ کر بھی اسی طرح کی شدت اور نفرت کا جذبہ ہمارے اندر ابھرتا ہے؟! اگر نہیں ابھرتا تو پھر دوسرے کا گناہ دیکھ کر ہمیں اپنے دل میں ایسے جذبات لانے کا کیا حق ہے؟

معاصی سے نفرت عاصی سے محبت

پھر فرمایا کہ مولانا! ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ گناہ سے تو نفرت ہوگی لیکن کسی گنہگار سے نفرت نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ گناہ فی نفسہٖ ایک برا فعل ضرور ہے لیکن اس کی برائی کے سبب اس کے فاعل کو برا نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے وہ فاعل اپنے اس فعل سے توبہ کر کے خدا کی نگاہ میں معزز اور برگزیدہ بن جائے اور ہم اسے حقارت سے دیکھنے کی وجہ سے خدا کی نگاہ میں مبغوض اور ناپسندیدہ بن جائیں۔ لہٰذا کسی گنہگار کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہئے کہ یہ بہت خطرہ کی بات ہے۔ بلکہ کتابوں میں یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ جو شخص کسی کو کسی برائی کے سبب حقیر جانے گا، مرنے سے پہلے خود اس برائی میں مبتلا

ہوگا۔ اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

نماز کیسی ہو؟

ایک سلسلۂ گفتگو میں نماز سے متعلق ارشاد فرمایا: کہ جس طرح ہر چیز کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے اسی طرح نماز کا بھی ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، اور ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کسی چیز کا باطن خراب ہو تو اس کا ظاہر خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو وہ چیز کارآمد نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر گھڑی کو دیکھ لیجئے کہ ایک اس کا ظاہر ہے یعنی ڈائل، پٹہ وغیرہ اور ایک اس کا باطن ہے یعنی سیل، مشین، پرزے اور دیگر آلات وغیرہ جو بظاہر نظر نہیں آتے مخفی رہتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی گھڑی میں سیل نہ ہو یا اس کی مشین خراب ہو تو گرچہ اس کا ظاہر بہت عمدہ اور خوشنما کیوں نہ ہو اس گھڑی سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا، اس کے تمام تر ظاہری حسن کے باوجود اس سے اپنا مقصود یعنی ٹائم دیکھنا حاصل نہیں ہوسکتا۔ گویا باطن کی حیثیت روح کی ہے کہ جس طرح جسمِ انسانی روح کے بغیر بے کار ہے اسی طرح کسی بھی چیز کا ظاہر اس کے باطن کے بغیر بے کار ہے۔ پس اسی طرح نماز کا بھی ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ اور ہم سے ظاہر اور باطن دونوں کو اچھا بنا کر لانے کا مطالبہ ہے کہ جب تم نماز کے ظاہر اور باطن کو خوب اچھا بنا سنوار کر ہمارے دربار میں پیش کروگے اسی وقت یہ نماز تمہارے حق میں نفع بخش اور کارآمد ہوگی اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج اس پر مرتب ہوں گے۔

نماز کا ظاہر و باطن کب اچھا ہوگا؟

نماز ظاہری طور پر اس وقت اچھی ہوگی جب ہمیں نماز کے فرائض، واجبات، سنن

اور مستحبات کا علم ہوگا اور ہم نماز کے اندر ان کی پوری رعایت کریں گے، نیز قرآن بھی صحت ادائیگی کے ساتھ پڑھیں گے۔ جب ان چیزوں کی رعایت کی جائے گی تو نماز ظاہری طور پر اچھی ہوجائے گی۔

اور باطنی طور پر اس وقت اچھی ہوگی جب نماز میں دل لگے گا، حضور قلب ہوگا اور نماز میں پوری طرح اللہ کی یاد ہوگی، کیونکہ نماز کا مقصود اللہ کی یاد ہی ہے۔ خود قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" کہ نماز میری یاد کیلئے قائم کرو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر نماز میں دل حاضر نہیں ہے، توجہ الی اللہ نہیں ہے، اللہ کی یاد نہیں ہے تو یہ نماز ظاہری طور پر تو نماز ہی کہی جائے گی لیکن چونکہ نماز کا مقصود حاصل نہیں ہے لہٰذا نماز پر مرتب ہونے والے نتائج بھی حاصل نہیں ہوں گے۔ گویا یہ نماز بے روح اور بے حقیقت ہوگی اور روح کے بغیر صرف ظاہری شکل اور ڈھانچہ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اسی بناء پر بعض مشائخ صوفیہ کے نزدیک نماز کے باطن کو بنانے والی چیزیں بھی فرض کا درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اگر آج ہماری نمازوں کا جائزہ لیا جائے تو بے نمازیوں کا ذکر تو درکنار خود ہم جیسے برسوں سے نماز پڑھنے والے اور پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے والے نمازیوں کی نماز بھی باطنی طور پر اچھی نہیں کہی جاسکتی، تکبیر تحریمہ کہتے ہی دل و دماغ دنیا میں مشغول ہوجاتا ہے۔ کبھی بیوی کا جھگڑا یاد آرہا ہے، کبھی پڑوسی کی ایذ رسانی یاد آرہی ہے، کبھی آفس کا حساب کتاب یاد آرہا ہے تو کبھی بیوپاری کا پیمینٹ یاد آرہا ہے، غرض یہ کہ پوری نماز انہی دنیوی جھمیلوں کی نذر ہوجاتی ہے۔ حتیٰ کہ اب نماز کے دوران ہمیں دنیا کو سوچنے کی اس قدر مشق ہوگئی ہے کہ جو

بات نماز کے باہر یاد نہ آرہی ہو وہ نماز کی نیت باندھتے ہی یاد آجاتی ہے گویا نماز اللہ کی یاد اور اس کے دھیان کے علاوہ باقی تمام بھولی بسری یادیں تازہ کرنے کا ایک بہترین مشغلہ بن گئی ہے۔ اور اگر کسی کو نماز کی حالت میں اللہ کی یاد آ بھی گئی اور توجہ الی اللہ اور انابت الی اللہ کی نعمت نصیب بھی ہوگئی تو اس کا سلسلہ بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور پھر وہی دنیا اس کی سوچ پہ حاوی ہو جاتی ہے کیونکہ دل و دماغ پر ہر وقت دنیا جو غالب ہے۔ حالانکہ نماز اس مقصد کے لئے دی گئی تھی کہ اس میں اول تا آخر اللہ ہی کی یاد ہو، نیت باندھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک پوری توجہ اللہ پاک کی طرف ہو اور مکمل انہیں کا دھیان رہے۔ اللہ پاک نے ایسا کہیں نہیں فرمایا کہ نماز ایسی پڑھو کہ اس میں آدھی توجہ مخلوق کی طرف ہو اور آدھی میری طرف ہو بلکہ پوری پوری توجہ اپنی جانب رکھنے کا مطالبہ فرمایا ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ اگر آدھی یعنی پچاس فیصد توجہ بھی اللہ کی جانب ہوتی تب بھی بساغنیمت تھا لیکن آج کل ہماری نمازوں کا حال تو اس سے بھی بدتر ہے ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی نمازوں کا حال خوب جانتا ہے۔

سوچنے کی بات

ایک طالب علم کو کسی سبجیکٹ میں کامیاب ہونے کے لئے کم از کم ۳۵ رفیصد نمبرات حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے اس سے کم نمبرات پر وہ فیل قرار دیا جاتا ہے، اگر ہم اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر خود اپنی نمازوں کا جائزہ لیں تو نماز کے اندر ہماری توجہ اللہ پاک کی جانب ۳۵ رفیصد بھی نہیں ہوتی گویا ہم خود اپنے بنائے ہوئے قانون کے اعتبار سے نماز کے سبجیکٹ میں فیل قرار دیئے جائیں گے۔ جب ہمارا فیصلہ اپنے بارے

میں یہ ہے کہ ہم نماز میں فیل ہیں تو بھلا بتائیں اس نماز کی بنیاد پر آخرت میں کامیابی کا تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ اگر وہ اچھی نکلی تو اگلے تمام مراحل آسان ہو جائیں گے اور اگر وہ خراب نکلی تو آگے تمام مراحل کٹھن اور دشوار ہوں گے۔ اس حدیث پاک کی رو سے خراب نماز آخرت کے تمام مراحل میں کٹھنائیوں اور دشواریوں کا سبب ہوگی۔ لیکن افسوس صد افسوس تو یہ ہے کہ ہم اپنی اپنی نمازوں کے حال سے واقف ہونے کے باوجود اس کے بنانے کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ہم میں سے کوئی تین سال سے ایسی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی تیس سال سے ایسی نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی پچاس سال سے ایسی نماز پڑھ رہا ہے اور اسی بگڑی نماز پر وہ مطمئن بھی ہے۔

نماز کا اثر زندگی کے شعبوں پر

زندگی کے پچاس سالوں میں دنیا کی ہر چیز بدل گئی، خود ہمارے رہن سہن کا انداز بدل گیا۔ پہلے جھونپڑے میں رہتے تھے اب عالیشان فلیٹ میں رہتے ہیں، پہلے پیدل چلا کرتے تھے اب بیش قیمت گاڑی سے چلتے ہیں، پہلے معمولی نوکری کرتے تھے اب شاندار آفس میں بیٹھ ایک بڑے بزنس کو کنٹرول کرتے ہیں، گویا ہم نے اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں نہایت ترقی کر لی لیکن ترقی نہ ہوئی تو صرف نماز کے اندر کہ پچاس سال پہلے ہم جیسی بگڑی نماز پڑھتے تھے آج بھی ویسی ہی پڑھتے ہیں۔

خوب یاد رکھیں! جو شخص بگڑی نماز سے مطمئن ہوگا وہ بگڑی زندگی سے بھی مطمئن ہوگا اس لئے کہ بنی نماز دین کے سارے شعبوں کو بناتی ہے اور بگڑی نماز دین کے سارے

شعبوں کو اجازت دیتی ہے۔ خود مجھ سے میرے شیخ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ شکیل! کیا چاہتے ہو کہ دین کے سارے شعبوں میں کامل دیندار بن جاؤ؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضرت! چاہتا ہوں، اسی لئے تو آپ کے پاس آتا ہوں۔ فرمایا نماز بنالو دین کے سارے شعبوں میں کامل دیندار بن جاؤ گے۔ بغیر نماز بنائے کامل دینداری کا تصور محال ہے۔

جتنی کوشش کرو کم ہے

نماز کو تو جس قدر اچھا بنانے کی کوشش کی جائے کم ہے۔ خود حضرت نبی پاک ﷺ جن سے بڑھ کر کسی کی اچھی نماز ہو نہیں سکتی سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ اَستَغفِرُ اللّٰہ پڑھتے ہوئے باری تعالیٰ کے حضور یہ اعتراف کرتے تھے کہ مالک! مجھے جیسی نماز پڑھنی چاہئے تھی میں ویسی نماز نہیں پڑھ سکا آپ مجھے معاف فرمادیجئے۔ ہم بھی سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ استغفار پڑھتے ہیں لیکن ہمارا استغفار صرف زبانی استغفار ہوتا ہے، استغفار پڑھتے ہوئے کبھی ہمیں ندامت اور شرمندگی کا احساس نہیں ہوتا کہ جیسی نماز ہمیں پڑھنی چاہئے تھی ہم ویسی نماز نہ پڑھ سکے۔ کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ہم یہ استغفار کس بات پہ کر رہے ہیں، بس یہ معلوم ہوگیا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد تین بار استغفار پڑھا جاتا ہے اس لئے ہم پڑھ لیتے ہیں۔ وہاں حضرت نبی پاک ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ تمام زمیں کامل توجہ الی اللہ کے باوجود نماز کے ختم پر عاجزی اور نیازمندی، ندامت اور شرمندگی کے جذبات کے ساتھ استغفار کرتے تھے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نماز میں اکثر غافل رہنے کے باوجود ان جذبات سے عاری ہو کر استغفار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز

میں غفلت کو ہم کوئی جرم ہی نہیں سمجھتے، اگر جرم سمجھتے تو یقیناً ہمارے استغفار کی کیفیت کچھ اور ہوتی۔

نماز پڑھ کر استغفار کیوں؟

حضرت نبی پاک ﷺ نے نماز کے ختم پر استغفار کرکے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ تم نماز بنانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرلو اور کتنی ہی اچھی نماز کیوں نہ پڑھ لو پروردگار کی عبادت کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا اور جب حق عبادت ادا نہ ہوا تو اس تقصیر اور کوتاہی پر لامحالہ استغفار ضروری ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی نمازوں کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں بلکہ ہر آنے والی نماز کو پچھلی نماز سے بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ کرتے رہیں اور روتے رہیں اس لئے کہ کرنا اور پھر اس پر رونا کہ مالک! ہم سے کچھ نہ ہوا یہی چیز درحقیقت اللہ رب العزت کے دربار میں باعث عزوشرف اور سربلندی وافتخار کا ذریعہ ہے کیونکہ وہاں رونے والوں کی بڑی قدر ہے۔ کر کے لینا تو شاید ان کے دربار سے مشکل بھی ہو لیکن رو کر ان کے خزانہ سے بہت کچھ لیا جاسکتا ہے۔ اللہ پاک ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

اللہ کی نظر میں عالم کا مقام

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ میں نے بہت پہلے یہ بات سنی تھی کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا جس کے نامۂ اعمال میں بہت سے گناہ ہوں گے، ان گناہوں کی وجہ سے اس کے حق میں جہنم کا فیصلہ ہوجائے گا۔ اللہ پاک تمام چیزوں سے باخبر ہونے کے باوجود اس کے متعلق فرشتوں سے دریافت فرمائیں

گے کہ دیکھو کیا یہ شخص علماء کی مجلسوں میں جایا کرتا تھا؟ کہا جائے گا نہیں۔ ارشادِ باری ہوگا کہ دیکھو کیا یہ کسی عالم سے محبت کرتا تھا؟ کہا جائے گا نہیں۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا دیکھو کیا یہ کسی ایسے شخص سے محبت کرتا تھا جو کسی عالم سے محبت کرتا ہو۔ اس پر فرشتے عرض کریں گے کہ پروردگارا! ہاں، یہ ایک ایسے شخص سے محبت کرتا تھا جو علماء سے محبت کرتا تھا۔ ارشادِ خداوندی ہوگا کہ اسی بنیاد پر اس کی مغفرت کردو۔

دیکھا دوستو! اللہ کی نگاہ میں ایک عالم کا کتنا بلند مقام ہے۔ لہٰذا کسی بھی عالم کا صرف اس بنیاد پر کہ وہ علمِ نبوت کا حامل ہے ضرور اکرام کریں، ان کی کسی کوتاہی اور لغزش پر ہم عامیوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان پر انگشت نمائی کریں یا ان کی تقصیر و تذلیل کریں، ان کا وہ معاملہ فِیْمَا بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ اللّٰہِ ہے۔ البتہ اگر انہیں کسی خلافِ شرع امر کا مرتکب پاویں تو اس امر میں ان کی اتباع نہ کریں تاہم ان کا اکرام ضرور کریں گے۔

ایک نکتہ

بھئی! جب ایک عام مسلمان صرف صاحبِ ایمان ہونے کی حیثیت سے لائقِ تعظیم ہے تو پھر ایک عالم جو صاحبِ ایمان ہونے کے علاوہ حاملِ علمِ نبوت بھی ہے بدرجۂ اولیٰ لائقِ تعظیم ہوگا۔ اللہ پاک ہمیں علماءِ کرام کے مقام کو پہچان کر ان کی تعظیم و توقیر اور قدردانی کرنے والا بنائے اور ان کی ہدایات کی روشنی میں زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

روح اور نفس کس سے مضبوط ہوتے ہیں؟

ارشاد فرمایا: کہ اعمال روح کی مضبوطی سے انجام دیئے جاتے ہیں۔ جسم گرچہ

کمزور ہو لیکن اگر روح مضبوط ہے تو پھر اس جسم کی کمزوری اعمال کے انجام دینے میں مانع نہیں ہوا کرتی۔ میں نے اسی (۸۰) سال کے بوڑھوں کو دیکھا ہے کہ جسم بے حد کمزور ہونے کے باوجود نماز میں کھڑے ہوکر پورا قرآن پڑھتے ہیں، یہ بھی دیکھا کہ اسی نوے سال کی عمر ہے لیکن صلوٰۃ التسبیح روزانہ پڑھ رہے ہیں۔ آخر وہ کون سی قوت ہے جو اس ضعیفی اور پیرانہ سالی میں بھی انہیں ایسے مجاہدات پر کھڑا کرتی ہے؟

دوستو! یہی وہ روح کی قوت ہے جس کی بنیاد پر یہ سارے مجاہدات ان کے لئے آسان ہوجاتے ہیں۔ یہ روح کس طرح قوی اور مضبوط ہوتی ہے تو اس سلسلہ میں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ روح طاعت کے انجام دینے سے مضبوط ہوتی ہے اور نفس گناہ کرنے سے مضبوط ہوتا ہے یعنی طاعت روح کی غذا ہے اور گناہ نفس کی غذا ہے۔ لہٰذا جس نے اب تک گناہ کئے ہیں، اللہ پاک کی نافرمانیاں کی ہیں اس نے گویا اب تک اپنے نفس کو غذا پہنچائی ہے اور اسے مضبوط کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب نفس مضبوط ہوگا اور روح کمزور ہوگی تو پھر ایسے شخص کے لئے طاعت کو انجام دینا بہت دشوار ہوگا۔ اور جو آدمی طاعت اور فرمانبرداری میں لگتا ہے وہ روح کو غذا پہنچا کر اسے قوت پہنچاتا ہے اور نفس کو کمزور کرتا ہے۔ جب آدمی کا نفس کمزور ہو اور روح مضبوط ہو تو پھر اس کے لئے طاعت میں لگنا اور عبادت کا انجام دینا بہت آسان ہوجاتا ہے۔

دل کی ایک امنگ

ارشاد فرمایا: کہ ہمارے دلوں میں جہاں بہت سی خواہشیں اور امنگیں ہوتی ہیں وہاں یہ خواہش اور امنگ بھی ہونی چاہئے کہ ہمیں مدینہ پاک کی موت نصیب ہو، یہ بھی

مانگنے کی چیز ہے اس کی بھی دعا کرنا چاہئے۔ جس کے دل میں خواہش اور تڑپ ہوتی ہے اللہ پاک اسے ضرور وہاں پہنچاتے ہیں۔

مدینہ پاک میں ایک نومسلمہ لڑکی رہتی ہے جس کے دو تین بچے ہیں، وہ اور اس کے شوہر مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ چونکہ وہ عمر میں میری بچیوں کے برابر ہے اس لئے مجھے ابو جی کہتی ہے۔ جب کبھی اس کے یہاں جانا ہوتا ہے تو وہ مجھ سے ایک ہی دعا کراتی ہے کہ ابو جی! دعا کر دیجئے کہ مدینہ نہ چھوڑنا پڑے۔ دیکھئے! ایک نومسلمہ لڑکی کے دل میں مدینہ پاک کی کتنی محبت ہے اور اس جگہ سے کتنا لگاؤ ہے۔ اور ہونا بھی چاہئے کہ ہمارا ان کے (حضرت محمد ﷺ) کے سوا ہے ہی کون؟ ہمارے سب کچھ تو وہی ہیں، اللہ رب العزت کے بعد جس قدر ان کے احسانات ہم پر ہیں کسی کے نہیں ہیں۔ ایک روز اس نے مجھے بتایا کہ ابو جی! شادی سے پہلے ہی میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ مجھے مدینہ پاک کا قیام نصیب ہو جائے۔ دیکھئے! شادی سے پہلے ہی اس کے دل کی یہ امنگ اور چاہت تھی تو اللہ پاک نے اس کی چاہت اور تڑپ کی بدولت یہ انتظام کر دیا کہ اس کا نکاح ہی ایسے شخص سے ہو گیا جو مدینہ پاک میں رہتا ہے۔ اب وہ ہر ملاقات پر مجھ سے یہی دعا کراتی ہے کہ ابو جی! دعا کر دیجئے مدینہ نہ چھوٹے۔

ایک عاشقِ مدینہ

اس کے علاوہ آپ حضرات نے حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کا نام سنا ہوگا، اللہ پاک نے ان سے دعوت و تبلیغ کا بہت کام لیا ہے۔ جوانی میں ہی مدینہ پاک تشریف لے گئے تھے اور بہت طویل عرصہ وہاں قیام کیا حتی کہ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے

کرتے بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ میری ان سے بارہا ملاقات ہوئی بلکہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر منیٰ میں آپ کا اور حضرت جی (مولانا انعام الحسن صاحبؒ) کا قیام ہمارے پڑوس کے خیمہ ہی میں تھا وہاں بھی حضرت سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مولانا اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ دعا کراتے ہوئے جب آپ کے احرام کی چادر بدن سے کھسکی تو ہم نے دیکھا کہ ایک ایک ہڈی صاف نظر آ رہی تھی۔ دعوت کے کام میں اس قدر اپنے آپ کو کھپایا تھا کہ پوری زندگی ہی اس کام میں لگا دی۔

مدینہ پاک کی محبت اور وہاں کی موت کی تمنا میں آخری عمر تک وہیں قیام فرمایا۔ دین کے احیاء اور فروغ کا کام کرنے والوں کے پیچھے اور انہیں مٹانے کے درپے ہمیشہ اہلِ باطل رہے ہیں: حضرت کے پیچھے بھی کچھ اس طرح کے بدباطن لوگ لگ گئے۔ انہوں نے آپ کے اور دعوت کے کام کے خلاف حکومت کے کان بھر دیئے۔ حکومت نے بھی کسی مصلحت کے تحت ان لوگوں کی تائید کی اور حضرت مولانا سے کہا کہ آپ دعوت و تبلیغ کا یہ کام مدینہ منورہ میں بند کر دیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں یہ کام کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ اسی کام کے لئے تو پیدا کیا گیا ہوں اور ساری زندگی یہی کرتا رہا ہوں۔ حکومت نے کہا کہ اگر آپ اس کام کو نہیں چھوڑ سکتے تو آپ کو مدینہ چھوڑنا ہوگا۔ آپ ذرا تصور کیجئے کہ جس شخص نے مدینہ پاک کی محبت اور وہاں کی موت کی آرزو میں زندگی کا اکثر حصہ وہاں گزارا ہو اور اب عمر کے اس آخری دور میں اسے وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جا رہا ہو تو سوچئے اس کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ لیکن حضرت مولانا نے اس کام کی عظمت اور اہمیت کے پیشِ نظر مدینہ کے قیام کو قربان کرنا تو گوارا کر لیا لیکن کام کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

اللہ کرے کہ اس کام کی ایسی عظمت اور حقیقت ہمارے دلوں میں بھی اتر جائے اور ہم بھی اسی طرح اس میں اپنی زندگیوں کو کھپانے والے بن جائیں۔

جنرل ضیاء الحق مرحوم کو اللہ بہت ہی جزائے خیر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے، جب انہیں حضرت مولانا کے مدینہ پاک چھوڑنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت مولانا کو اپنے یہاں پاکستان آنے کی دعوت دی کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں، ہم آپ کو یہاں کی شہریت دیں گے، آپ کا پاسپورٹ بنوادیں گے، آپ دنیا بھر میں جہاں چاہیں گھوم پھر کر دعوت کا کام کریں۔ حضرت مولانا نے منظور فرمالیا اور پاکستان میں قیام کرنے لگے لیکن دل میں مدینہ پاک کی برسوں پرانی محبت اور وہاں کی موت کی آرزو مسلسل جوش مار رہی تھی۔ بالآخر اللہ پاک نے آپ کی اس آرزو کے پورا کرنے کا یہ انتظام فرمایا کہ ایک مرتبہ جب آپ عمرہ کی غرض سے حجاز تشریف لے گئے اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پاک پہنچے تو وہیں احکم الحاکمین کی طرف سے بلاوا آگیا، آپ نے وہیں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ دیکھئے! دل میں مدینہ پاک کی سچی محبت تھی اور وہیں کی موت کی تمنا اور آرزو تھی تو اللہ پاک نے کیسا انتظام فرمایا کہ نکالے جانے کے باوجود پھر دیارِ حبیب میں بلالیا اور وہیں کی موت نصیب فرمائی۔

میرے دوستو! اصل تو سچی محبت اور تڑپ ہے، اسے اللہ پاک سے مانگئے اور اپنے اندر پیدا کیجئے۔ اپنی ذات اور اپنے حالات سے نگاہ ہٹا کر ان کی ذات پر نظر رکھ کر مانگیں۔ جب دل میں سچی طلب اور تڑپ پیدا ہو جائے گی تو آپ خود دیکھیں گے کہ اللہ پاک کس طرح غیب سے بلانے کا انتظام فرماتے ہیں۔

اعتراض کا جذبہ

ارشاد فرمایا: کہ اللہ پاک نے انسان کے اندر مختلف جذبات رکھے ہیں، انہیں جذبات میں ایک جذبہ اعتراض کا جذبہ بھی ہے یہ ہر انسان میں ہوتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے اس جذبہ کا استعمال دوسروں پر کرتے ہیں کہ فلاں ایسا ہے، فلاں ایسا ہے، فلاں میں یہ عیب ہے، اس میں یہ خامی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے لوگ ہمیشہ دوسروں پر تنقیدی نگاہ رکھتے ہیں، انہیں اپنی ذات میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔

اعتراض کا یہ جذبہ اللہ والوں میں بھی ہوتا ہے لیکن اللہ والے اپنے اس جذبہ کو ہمیشہ اپنی ذات پر استعمال کرتے ہیں، ان کی تنقید کا نشانہ ان کا نفس ہوتا ہے، وہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور ان میں خامیوں ڈھونڈنے کے بجائے اپنی خامیاں اور اپنے عیوب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ پاک نے ہمارے اندر یہ جذبہ اس لئے نہیں رکھا کہ ہم اس کے ذریعہ دوسروں پر اعتراض کرتے پھریں بلکہ اس لئے رکھا ہے کہ ہم اسے اپنی ذات پر استعمال کریں اور ہمیشہ اپنے نفس کو اعتراض اور تنقید کا ہدف بنائیں۔ دوستو! ہم میں اور اللہ والوں میں یہی فرق ہے کہ ہماری تنقیدی نگاہ ہمیشہ دوسروں پر ہوتی ہے اور اللہ والوں کی تنقیدی نگاہ ہمیشہ اپنی ذات پر ہوتی ہے۔

بیان کا انداز اور اسلوب

میری مجلس کا بیان چونکہ بالترتیب نہیں ہوتا، کبھی کسی عنوان پر بات ہوتی ہے اور کبھی کسی عنوان پر، کبھی کوئی مضمون جاری رہتا ہے کہ اچانک درمیان میں کوئی دوسرا موضوع آجاتا ہے۔ یہ آتا نہیں لایا جاتا ہے، اللہ پاک ہی لوگوں کی ضرورت اور طلب کی وجہ

سے کہلاتے ہیں ورنہ مجھے کہاں بیان کرنا آتا ہے۔ اور پھر میرا بیان کسی کی ضرورت کا ہو کہ نہ ہو میری اپنی ضرورت کا تو ہوتا ہے، اسی لئے جب میں بیان کرنے بیٹھتا ہوں تو اندر سے نفس مجھ سے کہتا ہے کہ آج یہ بیان کر اس کی لوگوں کو ضرورت ہے، کبھی کہتا ہے کہ یہ بیان کر اس کی لوگوں کی ضرورت ہے، میں اس سے کہتا ہوں کہ تو وہ بیان کر جس کی تجھے ضرورت ہے اور اپنے نفس کو مخاطب بنا کر ہی ساری باتیں کہتا ہوں اسی لئے میری باتوں سے کسی کو نفع ہو کہ نہ ہو مجھے ضرور نفع ہوتا ہے۔ الغرض میرے اس بے ترتیب بیان کو سن کر بعضے لوگ اپنے اس اعتراض والے جذبہ کا مجھ پر خوب استعمال کرتے ہیں کہ میاں! ان کا بیان بھی کوئی بیان ہوتا ہے۔ کبھی یہاں کی کہتے ہیں کبھی وہاں کی کہتے ہیں، پھر اسے درمیان میں چھوڑ کر کہیں اور نکل جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بھئی! یہ کس نے کہہ دیا کہ گفتگو کا اصل کمال با لترتیب بیان کرنا ہے، اگر فصاحت و بلاغت کا یہی معیار ہوتا تو اللہ رب العزت سے زیادہ فصیح و بلیغ کون ہو سکتا ہے؟ دیکھئے! قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے بیان کا کیا انداز اور اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ شروع فرمایا، ابھی تذکرہ جاری ہی تھا کہ درمیان میں حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ فرما دیا، ان کا تذکرہ ابھی ناتمام ہی تھا کہ حضرت ابرٰہیم علیہ السلام کا قصہ نقل فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصص بیان ہو رہے تھے کہ فوراً بندوں کو نماز کا حکم صادر فرما دیا ساتھ ہی زکوٰۃ کا بھی حکم دے دیا، اس سے نمٹے تو اخلاق اور معاشرت کے احکام بیان فرما دیئے کہ والدین کے ساتھ یہ سلوک کرو، بیویوں کے ساتھ ایسے رہو، پڑوسیوں کے ساتھ یہ برتاؤ کرو وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کہ قرآن مجید میں بھی اللہ پاک نے

احکام اور قصص کے بیان کرنے میں کسی خاص ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا کہ سارے احکام بالتفصیل یکجا بیان کر دیئے، یا سارے قصص اور واقعات ایک جگہ بیان کر دیئے بلکہ مختلف حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت احکام اور واقعات مختلف جگہ بیان فرمائے بلکہ آپ دیکھیں گے کہ بعضے احکام اور بعضے انبیاء کرام کے قصص کا پورے قرآن میں کئی جگہ تکرار ہے، اس تکرار میں بھی اللہ پاک کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ کہنے کا منشاء یہ ہے کہ اگر بالترتیب اندازِ بیان اور اسلوبِ مخاطبت ہی اصل کمال کی چیز تھی تو قرآن مجید کے اندازِ بیان کو بدرجۂ اولیٰ ایک خاص ترتیب پر ہونا چاہئے تھا کہ اللہ پاک سے زیادہ باکمال اور اسلوبِ مخاطبت کا ماہر کون ہوگا؟

اس کے علاوہ آپ حضرت تھانویؒ کے مواعظ کو دیکھ لیجئے کہ ایک عنوان پر حضرت کے چار چار گھنٹے کے بیانات ہوتے تھے۔ اس کے باوجود اس عنوان کے ذیل میں مختلف مضامین سے متعلق باتیں بیان ہوتی تھیں۔ حضرت یہ باتیں بلا کسی مقصد کے بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں ان باتوں کا مضمون سے ربط ہوتا تھا۔ بعض مرتبہ جاری مضمون کو سمجھانے کے لئے دوسرا مضمون بیان کیا جاتا، بعض مرتبہ مضمون کی مزید وضاحت اور تفصیل کے لئے کسی دوسرے مضمون یا اس سے متعلقہ کسی مثال کو ذکر کیا جاتا تا کہ بات بہ آسانی سمجھ میں آ سکے۔ اب اگر کوئی شخص یوں کہے کہ جناب! حضرت کے بیان کا موضوع تو یہ تھا پھر آپ نے درمیان میں دوسرے مضامین کیوں بیان فرمائے؟ تو یہ حضرت کا نہیں بلکہ اس کی اپنی عقل و فہم کا قصور ہے۔

اگر آپ حضرات کہیں تو میں انشاء اللہ ایک ہی موضوع پہ بیان کر سکتا ہوں، بالکل

اس موضوع سے ہٹ کر کوئی گفتگو نہیں کروں گا لیکن میں مجلس کے اندر کسی ایک موضوع کا پابند ہو کر بیان کرنا نہیں چاہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مجلس میں مختلف قسم کے لوگ آتے ہیں جن کی مختلف طلب اور ضرورت ہوتی ہے، چونکہ وہ اپنی ایک مخصوص طلب لے کر حاضر ہوتے ہیں اس لئے اللہ پاک ان کی طلب اور ضرورت کے مطابق مختلف مضامین کا القاء فرماتے ہیں۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ صرف اور صرف آنے والے طالبین کی طلبِ صادق کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اللہ پاک بیان کے دوران ایسے مضامین کہلاتے ہیں جو میں نے کہیں پڑھے نہ سنے، حتیٰ کہ اگر بیان کے بعد میں ان مضامین کو سوچوں تو خود مجھے وہ مضامین یاد نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی میں اپنا ریکارڈ شدہ بیان سنتا ہوں تو خود مجھے بہت نفع ہوتا ہے، میں بڑا حیران ہوتا ہوں کہ اللہ پاک نے میری زبانی کیسے کیسے مضامین کہلا دیے جو کبھی میرے تصور اور خیال میں بھی نہیں تھے۔ اسی لئے میں اکثر بیان کے دوران کبھی درمیانی وقفہ میں، کبھی پانی پیتے ہوئے اور کبھی اس وقت جبکہ میری گفتگو کو سن کر لوگوں کے چہروں پر ایک خاص قسم کا تاثر ہوتا ہے عین اس وقت اللہ پاک سے باتیں کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یا اللہ! مجھے واقعی کچھ نہیں آتا یہ صرف آپ کہلا رہے ہیں۔ الغرض یہ میرا کمال نہیں ہے بلکہ ان آنے والے طالبین کی برکت ہے، اگر یہ لوگ مجلس میں آنا اور بیان سننا چھوڑ دیں تو ان مضامین کی آمد بھی بند ہو جائے۔ دیکھئے! شیر خوار بچہ جب ماں کی چھاتی سے دودھ کھینچتا ہے تو دودھ آنا شروع ہوتا ہے، اگر بچہ دودھ کھینچنا چھوڑ دے تو ماں کی چھاتی سے دودھ آنا بند ہو جائے، تو اس دودھ کے آنے میں ماں کی چھاتی کا نہیں بلکہ بچہ کے جذب کی کیفیت کا کمال ہے۔ اسی طرح مضامین کے ورود میں

بھی میرا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ آنے والے طالبین کی طلبِ صادق کا نتیجہ ہے، اگر آنے والوں کے اندر یہ طلب نہ ہو تو وہاں سے مضامین کا القاء بھی بند ہو جائے۔ بہر کیف! میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ پاک نے انسان کے اندر مختلف جذبات رکھے ہیں جن میں سے ایک اعتراض کا جذبہ بھی ہے جس کے متعلق میں نے ابھی بیان کیا۔

ایک اور جذبہ

اسی طرح ایک جذبہ ٹالنے کا جذبہ ہے، یہ بھی اللہ پاک نے ہر انسان کے اندر رکھا ہے۔ بیوپاری حضرات اپنے اس جذبہ کو اپنے مفاد کی خاطر خوب استعمال کرتے ہیں اور پیسے پاس ہوتے ہوئے بھی دوسرے بیوپاریوں کا پیمنٹ روکتے ہیں کہ آپ کل آنا، پرسوں آنا، ایک ہفتے کے بعد آنا حالانکہ پیسے موجود ہیں اس کے باوجود بلاوجہ ٹالتے ہیں، پتہ چلا کہ انسان کے اندر ایک جذبہ ٹالنے کا جذبہ بھی ہے۔ اللہ والوں میں بھی یہ جذبہ پایا جاتا ہے لیکن وہ اپنے اس جذبہ کے ذریعہ نفسانی و شہوانی خواہشات اور لذات کو ٹالتے ہیں کہ جہاں کہیں معصیت کا موقع آیا اور ان کے نفس نے اسے انجام دینے پر زور لگایا تو فوراً انہوں نے اپنے اس جذبہ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے نفس کو بہلایا، پچکارا اور ٹالا کہ دیکھ! اس معصیت کی لذت وقتی لذت ہے، کچھ دیر کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اگر تو دنیا کی اس چند روزہ زندگی میں اس وقتی لذت کے تقاضہ کو دبا کر اپنے رب کو راضی کرے گا تو اللہ پاک تجھے آنے والی لامحدود زندگی میں ایسی نعمتوں اور لذتوں سے نوازیں گے جو ہمیشہ باقی رہیں گی کبھی نہ ختم ہوں گی۔ پھر آخر ان فانی لذتوں کی خاطر باقی رہنے والی لذتوں سے محروم ہو جانا اور اپنے رب کی ناراضگی مول لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ بلکہ اللہ

والے اپنے اس ٹالنے والے جذبہ کے ذریعہ بہت سی مرتبہ جائز اور مباح لذتوں کو بھی ٹال جاتے ہیں۔ حالانکہ ان لذتوں سے لطف اندوز ہونے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہوتی پھر بھی وہ مجاہدہ کرتے ہیں اور اپنے نفس پر بوجھ ڈالتے ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ کے متعلق کتاب میں پڑھا کہ وہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، راستہ چلتے کسی کھانے کی چیز پر نگاہ پڑی تو کھانے کا جی چاہا لیکن خریدنے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ نفس نے انہیں سمجھانا شروع کیا کہ تم جہاں اپنی دیگر ضروریات کے لئے قرض لے لیتے ہو اس ضرورت کے لئے بھی کسی سے قرض لے لو۔ انہوں نے اپنے نفس سے کہا کہ جب قرض لے کر ہی ضرورت پوری کرنی ہے تو پھر اس ضرورت ہی کو قرض رہنے دے، جب پیسے پاس ہوں گے تو خرید کر کھا لینا۔ دیکھا آپ نے اللہ والے کس طرح اپنے اس جذبہ کے ذریعہ اپنی راحتوں اور لذتوں کو ٹالتے ہیں جبکہ ان لذتوں سے متمتع ہونا شرعاً مباح بھی ہوتا ہے۔

یہ ٹالنے کا جذبہ اللہ پاک نے اس لئے عطا فرمایا تھا کہ اس کے ذریعہ ہم معاصی کو ٹالیں، نفسانی اور شہوانی خواہشات کو ٹالیں لیکن ہم ہیں کہ ہمیشہ اس جذبہ کو طاعتوں کے ٹالنے میں استعمال کرتے ہیں کہ آج بہت تھکے ہوئے ہیں اس لئے عشاء کے نفل نہیں پڑھیں گے، آج فلاں کام ہے اس لئے تلاوت نہیں کریں گے، آج فلاں مصروفیت ہے اس لئے تسبیحات چھوڑ دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ جذبہ تو طاعتوں میں لگ کر لذات و شہوات کو ٹالنے کے لئے تھا لیکن ہم اس کے برعکس کرتے لگے۔ اللہ پاک ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور اپنے ان جذبات کے صحیح استعمال کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

غصہ کس پر آتا ہے؟

ارشاد فرمایا: کہ غصہ بڑا ہوشیار ہے ہمیشہ کمزوروں پر آتا ہے کبھی کسی طاقتور پر غصہ نہیں آتا۔ شوہر ہے تو بیوی پر غصہ آتا ہے، بیٹا ہے تو بوڑھے ماں باپ پر غصہ آتا ہے، پڑوسی اگر کمزور ہے تو اس پر غصہ آتا ہے: استاذ ہے تو طالبعلموں پر غصہ آتا ہے۔ کیوں کہ یہ بے چارے کمزور ہیں، ان میں انتقام لینے کی قوت نہیں ہے اور جہاں کہیں کسی طاقتور سے سابقہ پڑتا ہے کہ یہ انتقام لے گا تو وہاں غصہ بھی نہیں آتا۔ کیونکہ پتہ ہوتا ہے کہ اگر یہاں غصہ کروں گا تو دو ہاتھ مجھے ہی لگنے والے ہیں اس لئے یہاں خاموش رہتا ہے۔

غصہ آنے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ غصہ کرنے والا شخص خود کو اس شخص سے اچھا سمجھتا ہے جس پر غصہ کر رہا ہے، اسی خیال اور زعم کی بناء پر وہ غصہ کرتا ہے کہ میں اچھا ہوں یہ مجھ سے کمتر ہے، اس میں یہ کمی ہے مجھ میں یہ کمی نہیں، یہ ناسمجھ ہے میں بڑا فہیم ہوں اس لئے وہ غصہ کرتا ہے۔

نیز غصہ قوتِ برداشت نہ ہونے کی وجہ سے بھی آتا ہے کہ آدمی میں ضبط اور تحمل کی قوت نہیں ہوتی اس لئے وہ غصہ کرتا ہے یہ جسمانی کمزوری کی علامت ہے۔ یاد رکھیں! جو شخص جتنا غصہ پر قابو رکھنے والا ہوگا وہ اتنا ہی اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بھی قابو میں رہے گا اور اس کے حقِ خاص کو پوری طرح ادا کرنے والا ہوگا، غصہ پر قابو نہ ہونا یہ بتلاتا ہے کہ یہ شخص خلوت میں بھی بے قابو اور اپنی بیوی کے وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی سے قاصر ہے۔

دوستو! بے جا غصہ حرام ہے اس کا اضرار ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، یہ ایمان کو خراب اور کمزور کر دیتا ہے۔ روایت کا مفہوم ہے کہ غصہ ایمان کو ایسے ہی خراب کرتا ہے

جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ ایلوا ایک ایسی کڑوی چیز ہے جس کے چند قطرے اگر شہد کی بڑی مقدار میں ڈال دیے جائیں تو وہ سارے شہد کو کڑوا کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی ذرا سا غصہ ایمان کو خراب کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص غصہ کرنے پر قادر ہو اور وہ قدرت کے باوجود اپنے غصہ کو نافذ نہ کرے تو اللہ پاک اس شخص کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دیتے ہیں۔ یہ بھرنا اسی صورت میں تو ہوگا جبکہ بھرنے کی گنجائش بھی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص غصہ پر قابو رکھے تو اللہ پاک اس کو قلبی سکون بھی عطا فرمائیں گے اور اس کی ایمانی سطح کو بھی بلند کریں گے، نیز ایمانی کیفیات میں بھی ترقی سے نوازیں گے۔

بیعت کیا ہے؟

ارشاد فرمایا: کہ بیعت سے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بیعت سنت ہے جس کا مقصود ظاہر اور باطن کی اصلاح ہے، اور اپنی اصلاح کرنا فرض ہے۔ تو جب بیعت کا مقصود اصلاح ہی ہے تو پھر ہم خود کیوں نہ اپنی اصلاح کر لیں اس کے لئے کسی سے بیعت ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ بیعت سنت ہے لیکن اس سنت کی ادائیگی کا یہ کیا کم نفع ہے کہ اس کے ذریعہ پچھلی زندگی کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ بیعت کے وقت توبہ کرائی جاتی ہے، آدمی جب صدق دل سے پچھلے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو حدیث پاک **اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ** کی رو سے اللہ پاک اسے گناہوں سے ایسا پاک صاف کر دیتے ہیں کہ گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ اس کے علاوہ بیعت سے متعلق غالباً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ

علیہ کا ارشاد ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ بیعت ہونے والا کبھی گناہ نہیں کرے گا لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ اس بیعت کی برکت سے اس کا خاتمہ ایمان پر ضرور ہوگا۔ اللہ پاک ان سلاسلِ اربعہ کے بزرگوں کی نسبت کی ضرور لاج رکھیں گے۔

ایک نکتہ

دیکھئے! دنیا میں بھی یہ دستور ہے کہ اگر ہمارے کسی عزیز کا کوئی ملنے والا ہو جس سے ہمیں تکلیف پہنچی ہو یا اس نے ہمیں کسی طرح کا کوئی نقصان پہنچایا ہو تو اس سے انتقام لینے سے قبل ہمیں اپنے عزیز کا خیال ضرور آتا ہے اور انتقام لینے کی قدرت کے باوجود صرف اپنے عزیز کے خیال سے ہم اسے معاف کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تو فلاں کا ماننے والا نہ ہوتا تو میں تجھے بتاتا، صرف اس سے تعلق کی بنا پر میں تجھے چھوڑے دے رہا ہوں۔

دوستو! ٹھیک اسی طرح قیامت کے روز اللہ پاک اپنے ان محبوب اور مقبول بندوں کی لاج رکھیں گے کہ ان کے متوسلین کو صرف اس بنیاد پر معاف فرمائیں گے کہ دنیا میں یہ میرے محبوب بندوں سے محبت کرتے تھے، ان سے تعلق رکھتے تھے، آج اس محبت و تعلق کی بناء پر میں انہیں معاف کئے دیتا ہوں۔

اپنی قیمت نہ لگائیں

آدمی کی طبیعت جو بیعت ہونے اور کسی کو اپنا بڑا بنانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اب تک اپنی نگاہ میں بڑا بنا بیٹھا ہے، اس نے اپنی قیمت لگا رکھی ہے کہ میں کچھ ہوں، اس کے اندر کا یہی "میں" اسے کسی کے سامنے جھکنے نہیں دیتا۔ بیعت میں چونکہ جھکنا پڑتا ہے، چھوٹا بننا پڑتا ہے، کسی کو اپنا بڑا بنا کر اس سے اپنی اصلاح کرانا

پڑتی ہے اور نفس ان باتوں کے لئے آمادہ نہیں ہوتا اس لئے ایسی طبیعت کے لوگ بیعت ہونے سے کتراتے ہیں بلکہ بعضے تو معاذ اللہ اس عمل کو بالکل لغو اور مہمل قرار دیتے ہیں اللہ پاک انہیں صحیح سمجھ عطا فرمائیں۔ بیعت اسی لئے کرائی جاتی ہے کہ نفس پر بوجھ پڑے، وہ ذلیل اور پامال ہو، جوں جوں نفس ذلیل اور پامال ہوتا جاتا ہے آدمی کی اصلاح ہوتی جاتی ہے، نفس کو پامال کئے بغیر آدمی کی اصلاح ناممکن ہے۔

علاوہ ازیں آدمی کے امراضِ روحانیہ عموماً اپنی ذات پر نہیں کھلتے، جب وہ کسی کو اپنا بڑا بناتا ہے اور ان سے تعلق جوڑ کر ان کے پاس آنا جانا شروع کرتا ہے تو وہ اس کے مزاج اور طبیعت سے واقف ہو کر اور اس کے امراض پر مطلع ہو کر حسبِ موقع و مصلحت اس کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر اللہ پاک بھی مرید کے حسب حال شیخ کی زبان سے وہ مضامین کہلاتے ہیں جو مرید کی اصلاح میں اکسیر ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس خیال سے بیعت نہ ہونا اور اپنی اصلاح کی خاطر کسی کو اپنا بڑا نہ بنانا کہ بیعت سنت ہی تو ہے کوئی فرض یا واجب عمل تو ہے نہیں اپنا ہی کچھ کھونا ہے۔

اور پھر لفظ تزکیہ کی لغوی تحقیق بھی یہ بتلاتی ہے کہ آدمی اگر اپنے طور پر اپنا تزکیہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ میں تو پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں لیکن اہل علم حضرات کی زبانی سنا ہے کہ لفظ تزکیہ فعلِ متعدی ہے جو فاعل اور مفعول دونوں سے مل کر مکمل ہوتا ہے یعنی تزکیہ کا عمل اسی وقت وجود میں آئے گا جب ایک مزکی (تزکیہ کرنے والا) ہو اور ایک مزکیٰ (جس کا تزکیہ کیا جائے) ہو۔ جب تک یہ دونوں افراد نہیں ہوں گے اس وقت تک تزکیہ کا عمل وجود میں نہیں آئے گا۔ اس لفظ کی یہ لغوی تحقیق خود بتلاتی ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے

بغیر اپنے طور پر اپنی اصلاح نہیں کی جا سکتی۔

دیکھئے! قرآن مجید میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد تزکیہ بتایا گیا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعثت کے دیگر مقاصد کی طرح اس مقصد کو بھی بحسن وخوبی انجام دیا ہے اور صحابۂ کرام کا تزکیہ کیا ہے۔ سیرت طیبہ اٹھا کر دیکھئے کہ آپ نے صحابۂ کرام کو بیعت کیا ہے یا نہیں؟ آپ سے بیعت ہونے اور اپنی اصلاح کرانے کے بعد صحابۂ کرام کے قلوب ایسے مصفّٰی اور مجلّٰی ہو گئے تھے کہ ان کے حق میں لسانِ نبوت سے اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ کا مژدہ جاری ہوا۔

بھلا کیا صحابۂ کرام سے بڑھ کر بھی کوئی مقدس و متبرک اور کامل الیقین والمعرفۃ جماعت امت میں ہے؟ جب صحابۂ کرام کے تزکیہ کی ضرورت پڑی اور انہوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنا تزکیہ کرایا ہے تو پھر کیا ہم جیسوں کے تزکیہ کی ضرورت نہیں ہے؟ بھلے یہ عمل مسنون ہے لیکن جب اس میں اتنے فوائد مضمر ہیں تو ان فوائد سے مستفید نہ ہونا اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو نفس اور شیطان کے دھوکوں سے بچا کر دین کی صحیح فہم نصیب فرمائیں اور اس کے مطابق عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

اس طریق سے کامل انتفاع کب ہو گا؟

پھر فرمایا کہ اس طریق سے کامل انتفاع اطلاع اور اتباع پر موقوف ہے کہ شیخ کو مسلسل اپنے حالات کی اطلاع کرتا رہے اور ان کی ہدایات کے مطابق عمل کرتا رہے۔ جب تک یہ معاملہ رہے گا ان شاء اللہ ترقی ہوتی رہے گی۔ آج کل کے مرید بیعت تو ہو جاتے ہیں لیکن شیخ کو اپنے امراض کی اطلاع نہیں کرتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کو اپنے امراض

بتادینے سے ہم ان کی نگاہ میں ذلیل ہوجائیں گے۔ بھلا بتائیے! کیا کسی سیریس مریض کو دیکھ کر ڈاکٹر کبھی اسے ذلیل سمجھتا ہے؟ نہیں بلکہ اس کے دل میں مریض کے تئیں شفقت اور ترحم کا جذبہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے دیگر مریضوں کی بہ نسبت اس کی جانب توجہ بڑھا دیتا ہے کہ بے چارہ انتہائی سیریس ہے در پوری توجہ اور فکر کے ساتھ اس کا علاج کرتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح یہ مشائخ بھی روحانی طبیب ہوتے ہیں، جب مرید انہیں اپنے روحانی امراض بتلاتا ہے تو وہ اسے نفرت اور حقارت سے دیکھنے کے بجائے پیار اور محبت سے دیکھتے ہیں، اپنی توجہ اس کی جانب بڑھا دیتے ہیں بلکہ اپنے امراض کھول کر بیان کر دینے کی وجہ سے مرید کی قدر شیخ کے دل میں اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ بات تو شانِ مشیخیت سے بہت بعید ہے کہ شیخ کسی پر حقارت کی نگاہ ڈالے، کسی کو حقیر سمجھنے والا شیخ بننے کا اہل ہو ہی نہیں سکتا۔ مشائخ تو خود اپنی نگاہ میں حقیر و ذلیل ہوتے ہیں، ان کی نگاہِ حقارت جب کبھی اٹھتی ہے تو اپنی ذات پر اٹھتی ہے، وہ دوسروں کو ہمیشہ اپنے سے بہتر اور خود کو ہمیشہ دوسروں سے کمتر سمجھتے ہیں پھر بھلا وہ کسی کو کیا حقیر جانیں گے؟ لہٰذا اس خیال سے اپنے امراض شیخ سے چھپانا کہ بتا دینے سے ہم رسوا ہو جائیں گے یا ہمارا رتبہ ان کی نگاہ میں کم ہو جائے گا۔ یہ صرف نفس کا دھوکہ ہے کہ وہ دل میں ایسے وساوس پیدا کر کے آدمی کی اصلاح ہونے نہیں دینا چاہتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے اپنے امراض شیخ کو بتائے اور پھر ان کے بتائے ہوئے علاج کے مطابق عمل کیا تو اس کا ظاہر اور باطن سنت و شریعت کے مطابق ہوجائے گا جو کہ میں نہیں چاہتا۔ لہٰذا اس کے دل میں ایسے وسوسے پیدا کرو جو اس کی اصلاح میں مانع بنیں۔

سعادت کی بات

اس کے علاوہ شیخ کو اپنے حالات سے مسلسل مطلع کرتے رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب مرید اپنے حالات شیخ کو بتاتا رہتا ہے تو دعا کرتے وقت اللہ پاک شیخ کو اس مرید کا نام یاد دلاتے ہیں کہ میرا یہ بندہ اپنی اصلاح کی اور دین کی سچی طلب لے کر تمہارے پاس آتا ہے اور اسی لئے تمہیں اپنے حالات سے آگاہ کرتا رہتا ہے لہٰذا اس کے حق میں مجھ سے دعا کرو۔ چنانچہ شیخ رات کی تنہائی میں اٹھ کر اس کے حق میں اللہ کے حضور روتے گڑگڑاتے ہیں اور اس کی اصلاح اور کامل دینداری کا اللہ پاک سے سوال کرتے ہیں۔

یہ کس قدر سعادت اور افتخار کی بات ہے کہ اللہ کا ایک نیک بندہ راتوں کو اٹھ کر ان کے سامنے ہمارے لئے عاجزی و زاری کرتا ہے اور ہماری اصلاح کی بھیک مانگتا ہے۔ ذرا سوچیں کہ اللہ پاک کے نزدیک بندہ کا یہ عمل کتنا پسندیدہ ہوگا کہ ان کا بندہ اپنی اصلاح کی خاطر اور اپنے رب کا تعلق حاصل کرنے کی غرض سے اپنی ذلت کی پرواہ کئے بغیر اور نفس کی منشا کے خلاف ان کے ایک محبوب بندہ کے سامنے اپنے امراض اور عیوب کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک اپنے محبوب بندہ کو دعا میں اس کا نام یاد دلاتے ہیں کہ تم اس کے حق میں دعا کرو، میں اپنے اس بندہ کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور اسے اپنا تعلق اور اپنی معرفت دینا چاہتا ہوں۔ لہٰذا جب اپنی اصلاح کی خاطر شیخ سے اپنا تعلق قائم کر ہی لیا ہے تو پھر ان سے اپنے امراض نہ چھپانا چاہئے تاکہ اس تعلق کا پورا پورا نفع حاصل ہو۔

بیعت کا ایک اور فائدہ

ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو بیعت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: کہ بیعت کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے پچھلی زندگی کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا بیعت ہوجانے کے بعد شیخ سے اپنے پچھلے کسی گناہ کے تذکرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بس یہ اہتمام ہو کہ آئندہ کوئی گناہ نہ ہونے پائے اور جب کبھی کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً صدق دل سے توبہ استغفار کریں۔ اگر کوئی گناہ ایسا ہے جو نہیں چھوٹتا تو شیخ کو اس کی اطلاع کی جائے پھر ان کے بتائے ہوئے علاج کے مطابق عمل کیا جائے۔ جب اس علاج کے مطابق عمل ہوگا تو انشاء اللہ بہت جلد اس گناہ سے بھی نجات مل جائے گی۔

یاد رکھیں! کہ بیعت کا مقصود صرف ذکر اذکار کی پابندی کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا اصل منشاء گناہ چھڑانا ہے، گوکہ اس مقصود کو حاصل کرنے میں ذکر معین ہے تاہم یہ مقصودِ اصلی نہیں ہے۔ اس سے آپ حضرات قطعاً یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ لوگوں کو ذکر کرنے سے منع کررہا ہوں، آپ حضرات ذکر کریں اور خوب کریں لیکن پوچھ کر کریں اور گناہ چھوڑنے کے ارادہ سے کریں۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص صرف ذکر کرتا ہے اور پابندی کے ساتھ کرتا ہے اور نہایت اہتمام سے اپنے معمولات پورے کرتا ہے لیکن گناہ نہیں چھوڑتا تو صرف اس ذکر سے اس کی اصلاح نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر ذکر بھی کریں تو گناہوں کے چھوڑنے کے ارادہ سے کریں کہ گناہوں کا چھوڑنا ہی اصل ہے اور یہی اس راہ کا مقصود بھی ہے جس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔

حقیقی پارسا کون؟

ارشاد فرمایا: کہ آدمی کو اپنے نفس سے ہمیشہ بدگمان رہنا چاہئے، کبھی یہ اطمینان نہ ہو کہ اب میرا نفس مجھے معصیت کی طرف مائل نہیں کرتا۔ یہ نفس کبھی مردہ نہیں ہوتا موقع کی تاک میں ہوتا ہے، جب تک اسے موقع نہیں ملتا مردہ پڑا رہتا ہے لیکن جب اسے موقع ملتا ہے تو فوراً کسی معصیت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اس سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے۔ مواقع معصیت سے بھی بچنا چاہئے تاکہ مبتلائے معصیت نہ ہو۔

میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اب لوگوں کے احوال سن کر بکثرت اس کا مشاہدہ ہورہا ہے کہ جہاں کہیں انہوں نے اپنے نفس کو ذرا ڈھیل دی اور ذرا اس سے غافل ہوئے کہ نفس نے فوراً انہیں کسی معصیت میں مبتلا کردیا۔ ایک شخص نے جو معاشرہ میں بڑے دیندار سمجھے جاتے ہیں خود مجھ سے اپنا حال بیان کیا کہ دو لڑکیاں مجھے اشارے کیا کرتی تھیں۔ میں نے اس جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن اپنے نفس کی مکمل گرفت اور نگہداشت نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ان دونوں کا خیال دل میں جم گیا ہے اور نفس بار باران کا خیال دل میں ڈال کر طرح طرح کے وساوس میں مبتلا کرتا رہتا ہے جس کی بناء پر میں بہت پریشان رہتا ہوں۔ اسی طرح ایک صاحب نے اپنا حال مجھ سے نقل کیا کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں جانے کے لئے ایسی بس میں سوار ہوا جس میں ٹیپ ریکارڈ پر گانا بج رہا تھا۔ حالانکہ اس گاؤں تک جانے کا ایک دوسرا راستہ بھی تھا جہاں ایک دوسری بس جارہی تھی جس میں ٹیپ ریکارڈ بھی نہیں تھا لیکن میں نے یہ سوچ کر کہ مجھے ٹیپ ریکارڈ اور گانوں سے کیا واسطہ، اپنی کتاب کھول کر پڑھتا چلا جاؤں گا اسی ٹیپ ریکارڈ والی بس میں بیٹھ کر چلا گیا۔ لیکن یقین جانئے اس واقعہ کو چھ ماہ ہوگئے ہیں اب تک ان گانوں کی

آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے اور میں انہیں سن کر لذت لے رہا ہوں۔ دیکھا آپ نے کہ ذرا نفس کو ڈھیل ملی اور اس نے اپنا کام کر دیا۔

دوستو! پارسائی کا اصل امتحان اسی وقت ہے جب آدمی مواقعِ معصیت میں بھی اپنے آپ کو معصیت سے بچا لے، آج ہم پارسا اس لئے بنے بیٹھے ہیں کہ ہمیں گناہ کا موقع میسر نہیں ہے۔ اس پارسائی کی حقیقت اس وقت کھلے گی جب گناہ کا موقع آئے گا، اگر اس وقت بندہ اپنے آپ کو بچا لے جاتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ حقیقی پارسا ہے۔

محبت کس سے؟

کچھ دنوں سے ایک نوجوان میری مجلس میں آیا کرتا ہے اسے ایک لڑکی سے عشق ہو گیا تھا، لڑکی بھی اس سے محبت کرتی تھی، جب اس نے مجلس میں آنا شروع کیا تو اللہ پاک کی مہربانی سے اس لڑکی سے کنارہ کش ہونے لگا۔ لڑکی پیچھے پڑی تھی اور اسے محبت کی دہائی دیا کرتی تھی کہ مجھ سے اس طرح نہ روٹھو، مجھے تم سے محبت ہے۔ اس نے کہا کہ محترمہ! اب مجھے سمجھ میں آگیا ہے کہ محبت مخلوق سے نہیں خالق سے کی جاتی ہے، دل لگانے کی چیز تو اللہ کی ذات ہے لہذا میری مانو تو تم بھی اب اللہ ہی سے لو لگا لو۔

اس واقعہ کو مجلس میں نقل کر کے میں نے کہا کہ میاں! وہ نوجوان تو اللہ کا عاشق بن چکا تھا۔ جب حق جل مجدہٗ کی محبت کی لذت سے آشنا ہو گیا تو اپنی محبوبہ کی محبت کو فراموش کر بیٹھا۔ حالانکہ نوجوان تھا، غیر شادی شدہ تھا، اس کے باوجود اپنی نوجوان محبوبہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ ہم ہوتے تو لڑکی کی پیشکش پر گناہ کے مواقع ڈھونڈتے۔

دوستو! کچھ تو ہمارا حلیہ دیندارانہ ہے اور کچھ ہمیں گناہ کا موقع میسر نہیں ہے اس لئے

اب تک ہماری پارسائی پر بٹہ نہیں لگا ہے۔ اگر ہمارا حلیہ دیندارانہ نہ ہوتا یا اللہ حفاظت فرمائے ہمیں کہیں گناہ کا موقع میسر آجاتا تو ہماری یہ پارسائی کب کی داغدار ہو چکی ہوتی۔ یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ہم اب تک اپنے دیندارانہ حلیہ کی بناء پر اور لوگوں میں ذلیل اور مطعون ہونے کے خوف سے گناہ سے بچ رہے ہیں یا واقعی اللہ کا خوف گناہ کے کرنے میں مانع بن رہا ہے۔

نفس کا محاسبہ

لہٰذا دوستو! اول تو اپنے نفس سے کبھی مطمئن نہ ہوؤ، اس سے ہمیشہ چوکنا رہو کہ یہ کہیں کسی وقت ہمیں دھوکہ نہ دیدے۔ اور دوسرے یہ کہ اپنی اپنی حالت کو ٹٹولو کہ ہم اب تک جو گناہوں سے بچ رہے ہیں وہ ماحول اور حالات کی وجہ سے بچ رہے ہیں یا واقعی اللہ کے خوف سے بچ رہے ہیں۔ اگر واقعی اللہ کے خوف سے بچ رہے ہیں تو یہ بچنا انشاء اللہ کل قیامت کے دن اجر کا باعث، درجات کی بلندی اور اللہ کے قرب کا ذریعہ ہوگا۔ اور اگر ہم ماحول کی وجہ سے یا کسی مجبوری کے پیشِ نظر کہ میرا حلیہ تو دیندارانہ ہے، اگر میں یہ گناہ کروں تو لوگ کیا کہیں گے؟ میری دینداری کے باعث لوگوں کو جو مجھ سے عقیدت و محبت ہے وہ ختم ہو جائے گی، اگر اس طرح کی کسی مجبوری کی وجہ سے گناہوں سے بچ رہے ہیں تو یاد رکھیں! یہ بچنا کل قیامت کے روز اجر تو کیا دلاتا الٹے سزا کا باعث بنے گا۔

درود شریف کا دن

ایک مرتبہ جمعہ کے روز بعد نمازِ فجر آپ نے مختصر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ آج جمعہ کا دن ہے، جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کی تاکید ہے جس کی بڑی

فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے، اس لئے جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کرنا چاہئے۔ اور ایک مقدار طے کر کے پڑھنا چاہئے کہ آج مجھے اتنے درود پڑھنے ہیں، گھر والوں کو بھی ایک مقدار طے کر کے پڑھنے کی تاکید کرنا چاہئے۔ شب جمعہ ہی سے گھر والوں کو کہنا شروع کر دے کہ دیکھو! آج جمعہ کا دن ہے، آج درود پاک کا دن ہے، بچوں سے کہے کہ بیٹا! آج تو درود پاک کا دن ہے، آج ہمیں درود پاک کی کثرت کرنی ہے۔ گھر کا ہر فرد اپنے ذمہ طے کر لے کہ میں آج اتنے درود پڑھوں گا۔ باتیں کم کریں گے، درود شریف زیادہ پڑھیں گے، بس ضرورت کی بات ہوگی باقی سارا وقت درود پاک کے پڑھنے میں صرف کریں گے۔ یہ ترغیب اور تاکید کچھ اس انداز سے ہو کہ گھر والوں کو اور خصوصاً بچوں کو یہ محسوس ہو کہ واقعی آج خوشی کا دن ہے جس میں ہمیں درود پاک پڑھنا ہے۔ جس طرح عید کا دن آنے پر ہمیں خوشی محسوس ہوتی ہے ایسی ہی خوشی کا احساس ہمیں جمعہ کے دن کے آنے پر بھی ہو۔ رہی مقدار طے کر کے پڑھنے کی بات تو یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جب آدمی مقدار طے کئے بغیر پڑھتا جاتا ہے تو چونکہ یکسوئی کے ساتھ پڑھنے کی عادت نہیں ہوتی اس لئے پڑھتا بھی ہے اور باتیں بھی کرتا ہے۔ چونکہ تسبیح چل رہی ہوتی ہے اس لئے آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بہت پڑھ لیا، حالانکہ وہ پڑھتا بہت کم ہے اور سمجھتا بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا درود شریف کی کثرت تو کریں لیکن ایک معین مقدار کے ساتھ کریں۔

ایک ہزار درود

احادیث میں جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کے بڑے فضائل وارد ہوئے

ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن ایک ہزار درود پڑھنے کا اہتمام کرے گا وہ مرنے سے قبل جنت میں اپنا ٹھکانہ ضرور دیکھے گا۔ دیکھئے! اس حدیث سے کئی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱) پہلی یہ کہ جو شخص جمعہ کے دن ہزار درود پڑھنے کا اہتمام کرے گا اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ اس لئے کہ اس عمل کا ثمرہ اور نتیجہ جنت قرار دیا گیا ہے اور جنت میں جانے کے لئے ایمان کا ہونا لازمی ہے، بغیر ایمان کے جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ جب اس عمل کی پابندی پر جنت کا ٹھکانہ دیکھنے کی بشارت ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس کا اہتمام کرے گا وہ ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگا۔ اس عمل کے دیگر منافع سے صرف نظر یہی کیا کم ہے کہ اس کے اہتمام پر ایمان کی سلامتی کا وعدہ ہے؟! اس لئے کہ اخروی تمام تر نعمتوں کا انحصار خاتمہ بالخیر ہی پر ہے۔

۲) دوسری بات جو اس حدیث سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ اس عمل کی پابندی سے اللہ پاک کی رضا اور ان کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ اس عمل کے اہتمام پر جنت کا ٹھکانہ دیکھنے کی بشارت ہے اور جنت اللہ پاک اسی بندہ کو عطا فرمائیں گے جس سے راضی اور خوش ہوں گے۔

۳) تیسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس عمل کے اہتمام سے جنت میں لے جانے والے اعمال کے انجام دینے اور جہنم میں لے جانے والے اعمال سے بچنے کی توفیق بھی ملے گی۔ کیونکہ اس عمل پر جنت کی بشارت ہے اور جنت میں داخلہ کے لئے ایمان شرط ہے اعمال شرط نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ پاک جسے چاہیں ہزارہا نافرمانیوں کے باوجود

محض ایمان کی بنیاد پر اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل فرمادیں تو انہیں کون روکنے والا ہے؟ البتہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ پاک کا عام ضابطہ اور دستور یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ پاک اپنی اطاعت وفرمانبرداری اور بھلے اعمال کی وجہ سے انعام کے طور پر جنت عطا فرمائیں گے۔ اس لئے کہ خود اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم محسنین کے اجر کو ضائع ہونے نہ دیں گے، وہ اپنی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر جہنم میں داخل فرمائیں گے۔ کیوں کہ قیامت کا دن بدلہ کا دن ہوگا، میزانِ عدل قائم ہوگا، کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ ہر شخص اپنی نیکی کو خواہ وہ ایک ذرہ کے برابر ہو دیکھے گا۔ اسی طرح ہر شخص اپنی برائی کو خواہ وہ ایک ذرہ کے برابر ہو دیکھے گا۔ نیکوکار اپنی نیکیوں کے انعام کے طور پر جنت میں داخل کئے جائیں گے اور بدکار اور گنہگار اپنی برائیوں اور نافرمانیوں کی سزا کے طور پر جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ لہٰذا جب اس عمل کی پابندی سے دنیا ہی میں جنت کا ٹھکانہ دیکھنے کی بشارت مل گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو مزید بھلے اعمال کی توفیق ملے گی تاکہ اس کے پاس نیکیوں کا ذخیرہ ہو سکے اور کل قیامت کے دن جب بندوں کے اعمال تولے جائیں تو اس شخص کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو اور اس بنیاد پر اللہ پاک اسے جنت میں داخل فرمادیں۔

دیکھئے حدیث ایک ہے اور وہ بھی مختصر، اور اس میں ایک عمل کے اہتمام پر جنت کی بشارت کا وعدہ ہے لیکن اس ایک حدیث سے کتنے فوائد سمجھ میں آرہے ہیں۔ جب مجھ جیسے بے پڑھے لکھے کو اللہ پاک اتنی باتیں سمجھا رہے ہیں تو پھر علماء کرام کی شان تو بہت اعلیٰ وبالا ہے وہ پتہ نہیں اس حدیث سے کتنے فوائد مستنبط کریں گے۔ الغرض جب اس مختصر عمل پر جبکہ وہ بھی ہفتہ میں صرف ایک دن کرنا ہے جنت کا ٹھکانہ دیکھنے کی بشارت مل رہی ہے تو پھر اپنے طور پر تو اس کا

اہتمام کرنا ہی چاہئے ساتھ ہی اپنے گھر والوں اور دوست احباب کو بھی اس کی تاکید کرنا چاہئے۔

نیت کی اہمیت

یہ آپ کا معمول ہے کہ آپ بیان شروع کرنے سے قبل حاضرین کو عمل کی نیت کی تاکید فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک روز آپ نے اپنے معمول اور دستور کے مطابق بیان شروع کرنے سے قبل حاضرین سے فرمایا: کہ تمام حضرات عمل کی نیت کرلیں کہ دین کی جو بات سنیں گے اس پر عمل کریں گے، میں بھی عمل کی نیت کرتا ہوں کہ جو کہوں گا اس پر عمل کروں گا۔ پھر فرمایا کہ نیت ہر عمل میں بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے، وعظ کہنے اور سننے میں بھی عمل کی نیت کرلینا چاہئے، اس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کیوں کہ جب آدمی عمل کی نیت سے دین کی بات سنتا ہے تو پوری عظمت، توجہ اور انہماک کے ساتھ سنتا ہے، اور سنی ہوئی باتوں پر عمل کی فکر لے کر وہاں سے اٹھتا ہے، پھر اللہ پاک اس کی فکر کی بنیاد پر اسے عمل کی توفیق بھی عطا فرماتے ہیں۔

عمل کا نفع کب؟

خود حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کی نیت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی غفلت اور بے دھیانی کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے، کچھ دنوں کے بعد انشاء اللہ اسے اس کی نیت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوکر رہتی ہے۔ ہمارے اس شہر بمبئی میں ایک بزرگ رہتے ہیں، میرے ان سے دیرینہ تعلقات ہیں۔ ایک مرتبہ ایک غیر مسلم ان کے پاس مسلمان ہونے کے لئے آیا اور کہنے لگا کہ حضرت جی! میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، آپ مجھے مسلمان بنادیجئے۔ انھوں نے کہا کہ

تم کلمہ پڑھ لو مسلمان ہو جاؤ گے۔ کہنے لگا کہ حضرت جی! میں کلمہ تو بہت پہلے سے پڑھتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیسے پڑھتے ہو؟ اس نے فوراً کلمہ پڑھ کر سنا دیا۔ حضرت نے اس سے فرمایا کہ تم اب تک مسلمان ہونے کی نیت کے بغیر کلمہ پڑھا کرتے تھے اس لئے تمہیں اس کے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا، آج تم اسے مسلمان ہونے کی نیت سے پڑھ لو تو تمہیں اس کا پورا پورا نفع ہوگا۔

دیکھا آپ نے کہ وہ شخص ایک عرصہ سے کلمہ پڑھ رہا تھا لیکن چونکہ مسلمان ہونے کی نیت کے بغیر پڑھا کرتا تھا اس لئے ایک عرصہ تک پڑھنے کے باوجود مسلمان نہ بن سکا اور نیت کے ساتھ صرف ایک مرتبہ کے پڑھ لینے پر اس کا فائدہ ظاہر ہو گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ میں نے اپنے خصوصی معالج سے اپنا چیک اپ کرایا، انہوں نے میرا معائنہ کیا۔ جب وہ میرے تمام امراض کے معائنہ اور تشخیص سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کچھ دوائیاں تجویز کیں، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آپ کچھ دیر چہل قدمی کیا کریں۔ میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اس وقت تو چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں رہتا لیکن جب ٹھیک رہتا ہوں تو خوب چلتا ہوں۔ کہنے لگے شکیل بھائی! سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ جب آدمی صحت کی نیت کے بغیر چلتا پھرتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی چلت پھرت کر لے اسے اس چلنے پھرنے سے کوئی نفع نہیں ہوتا اور جب صحت کی نیت کے ساتھ صرف دس منٹ چہل قدمی کرتا ہے تو اس دس منٹ کی چہل قدمی سے بھی اس کی صحت کو نفع ہوتا ہے۔

سنا آپ نے، سائنس آج یہ بات کہہ رہی ہے اور نیت کی اہمیت بتلا رہی ہے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اب سے چودہ سو برس پہلے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات ارشاد فرما کر نیت کی اہمیت کو واضح فرما دیا تھا اور آخرت کے تمام تر اجر و ثواب کا ترتب اسی نیت کی بنیاد پر رکھ دیا تھا کہ تمہیں تمہارے ہر عمل کا بدلہ تمہاری نیتوں کے موافق ملے گا۔ لہٰذا اپنے ہر عمل میں نیت کا بلکہ متعدد نیتوں کا اہتمام کرنا چاہئے، یہ فکر ہونی چاہئے کہ ہمارا کوئی عمل بلا نیت نہ ہو اور ہر عمل کی اچھی اچھی نیتیں علماء اور مشائخ سے پوچھنا چاہئے۔

دوستو! ہمیں دن رات میں چوبیس گھنٹے ملتے ہیں، یہی چوبیس گھنٹے اللہ والوں کو بھی ملتے ہیں لیکن ہم میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ ہم اپنے چوبیس گھنٹوں میں انجام دئے جانے والے اعمال عادتاً انجام دیتے ہیں جن میں ہماری کوئی نیت نہیں ہوتی؛ اور اللہ والے اپنے ان چوبیس گھنٹوں میں انجام دئے جانے والے اعمال میں مختلف نیتیں شامل کر کے نیکیوں کے اعتبار سے اپنا ذخیرۂ آخرت بڑھاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، اچانک کسی نے دروازہ پر دستک دی، وہ شخص دروازہ کھولنے کے لئے اٹھنے لگا تو آپ نے اسے منع کیا اور خود اٹھ کر دروازہ کھولا۔ واپس آ کر اس شخص سے دریافت فرمایا کہ تم دروازہ کس نیت سے کھولنے کھڑے ہوئے تھے؟ اس نے کہا کہ حضرت! کسی نے دروازہ پر دستک دی تھی اس لئے میں دروازہ کھولنے کے لئے کھڑا ہو گیا، بھلا اس میں نیت کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا اسی لئے میں نے تمہیں دروازہ کھولنے سے منع کیا تھا کہ تم دروازہ بلا نیت کے کھولتے جبکہ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ تک جانے میں تیرہ نیتیں کر لی تھیں۔

ایک بزرگ کا عمل

اسی طرح کا ایک اور واقعہ سنئے، بمبئی میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ایک مرتبہ ان کے گھر کچھ مہمان تشریف لائے۔انہوں نے مہمانوں کی ضیافت کی، جب سارے مہمان کھانے سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے آم لاکر دسترخوان پر رکھے، مہمانوں نے جی بھر کر آم کھائے۔جب چھلکے سمیٹنے کا وقت آیا تو مہمانوں میں سے ایک شخص اٹھ کر چھلکے سمیٹنے لگا، انہوں نے اس سے دریافت فرمایا کیا تم چھلکے پھینکنا جانتے ہو؟ اس نے کہا کہ حضرت! اس میں جاننے والی کون سی بات ہے، چھلکے اٹھائے اور باہر پھینک دئے۔فرمایا تم میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ چھلکے کس طرح پھینکے جاتے ہیں۔پھر اسے ساتھ لے کر چھلکے پھینکنے کی جگہ پر پہنچے اور متفرق جگہوں پر تھوڑے تھوڑے چھلکے ڈال دئے۔پھر فرمایا کہ اگر تم چھلکے پھینکتے تو سارے چھلکے ایک ہی جگہ پھینک دیتے، میں نے انہیں الگ الگ جگہوں پر اس لئے پھینکا کہ جب بکریوں کا ریوڑ انہیں کھانے کے لئے آئے تو الگ الگ جگہوں پر ہونے کی وجہ سے اطمینان سے کھا سکے، اگر یہی چھلکے ایک جگہ رکھے ہوئے ہوں گے تو انہیں کھاتے ہوئے بکریوں کو دشواری ہوگی، ان کے درمیان جھگڑا ہوگا، وہ کھانے کی خاطر ایک دوسرے کو سینگ ماریں گی۔اگر میرے پھینکے ہوئے چھلکوں کے کھانے کی وجہ سے ان میں جھگڑا ہو تو بھلا یہ کوئی عقلمندی کی بات ہے؟ دیکھا آپ نے اللہ والے یہاں تک سوچتے ہیں اور ہم کہیں کسی جگہ کچھ نہیں سوچتے، بس عمل کئے جاتے ہیں۔

کہیں اس کا دل نہ ٹوٹے

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ روزانہ جب اپنے گھر تشریف لاتے تو ان کا معمول تھا کہ راستہ میں کچھ فاصلہ کے لئے اپنے جوتے اتار

لیتے، آپ کے ساتھ آپ کا خادم بھی ہوتا۔ایک عرصہ تک وہ اپنے حضرت کا یہ معمول دیکھتا رہا، بالآخر اس نے ایک دن اپنے شیخ سے پوچھا کہ حضرت! میں ایک عرصہ سے آپ کا یہ معمول دیکھ رہا ہوں کہ آپ گھر جاتے ہوئے کچھ فاصلہ کے لئے اپنے جوتے اتار لیتے ہیں، آخر آپ کس مصلحت سے ایسا کرتے ہیں؟ اس پر حضرت نے جو جواب دیا وہ ذرا توجہ سے سنئے، فرمایا اس جگہ ایک طوائف کا گھر ہے، جس کی عمر اب کچھ ڈھل گئی ہے، جب وہ جوان تھی تو اس کے بہت سے چاہنے والے تھے، اب عمر ڈھل جانے کی وجہ سے اس کے چاہنے والے کم ہوگئے ہیں۔چونکہ اس کا اب بھی یہی پیشہ ہے اس لئے وہ اب بھی یہاں سے گذرنے والوں کی آہٹ پاکر پُر امید ہوجاتی ہے کہ شاید کوئی میرا چاہنے والا آرہا ہے، اگر کوئی پہنچ جاتا ہے تو خوش ہوجاتی ہے اور اگر نہیں پہنچتا تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔میں یہاں جوتے اتار کر اس لئے چلتا ہوں تاکہ اسے میرے جوتوں کی آہٹ نہ محسوس ہو، اس لئے کہ اگر میں جوتوں سمیت چلوں گا تو اسے میرے جوتوں کی آہٹ محسوس ہوگی جس سے وہ بے چاری پُر امید ہوجائے گی اور چونکہ مجھے وہاں جانا نہیں ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے جوتوں کی آہٹ پانے کے باوجود وہ بے چاری مایوس اور ناامید ہوجائے اور اس کا دل ٹوٹ جائے اس لئے میں یہاں سے گذرتے ہوئے اپنے جوتے اتار لیتا ہوں۔سنا آپ نے، اللہ والے یہاں تک سوچتے ہیں کہ ان کے کسی عمل سے کسی طوائف کا بھی دل نہ ٹوٹے۔اللہ والوں کے چلنے میں، بیٹھنے میں، اٹھنے میں، پہننے میں، اتارنے میں، کھانے میں، پینے میں، پیشاب پاخانہ کرنے میں، غسل کرنے میں، کسی سے ملاقات کرنے میں، غرضیکہ ہر عمل میں کچھ نہ کچھ نیتیں ہوتی ہیں جس سے وہ ہر دم اپنی

نیکیوں کو بڑھاتے رہتے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ہمارے کسی عمل میں ہماری کوئی نیت نہیں ہوتی بس عمل کئے جاتے ہیں، کیوں کرتے ہیں ہمیں اس کا پتہ نہیں ہوتا۔ کسی نے برسوں پہلے مجھ سے حضرت مولانا علی میاںؒ کا ایک قول نقل کیا تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس امت کا جتنا بڑا نقصان بے نیتی سے ہو رہا ہے بد نیتی سے نہیں ہو رہا ہے کہ عمل کئے جاتے ہیں اور عمل میں کوئی نیت نہیں ہوتی۔ بھلا کیا مسلمان بھی ایسے غافل اور بے پرواہ ہو کر زندگی گذارا کرتے ہیں؟

زندگی ایک مہلت ہے

میرے محترم بزرگو اور دوستو! ہم وقت کو کوئی نعمت نہیں سمجھتے جبکہ یہ وقت اللہ رب العزت کی عطا کردہ نعمتوں میں ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے کہ زندگی کا جو لمحہ اور جو منٹ بھی گذر گیا کیا ساری دنیا مل کر اسے واپس لا سکتی ہے؟ بتاؤ تو سہی دوستو کیا کسی قیمت پر اسے واپس لایا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر آخر ہم کیوں اس طرح اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں؟ کیوں نہ اپنے اعمال میں اچھی اچھی نیتیں شامل کر کے انہیں قیمتی اور باعث اجر بنا لیتے ہیں۔ اور اگر خود نہیں جانتے تو کیوں کسی اللہ والے سے نہیں پوچھتے کہ حضرت! اس عمل میں میں کیا نیت کروں؟ اس عمل میں میری کیا نیت ہو؟ اپنے روزمرہ انجام دئے جانے والے اعمال کی خود فہرست بنائیں کہ میں روزانہ اتنے اعمال انجام دیتا ہوں، پھر کسی اللہ والے کے پاس ان اعمال سے متعلق نیتیں معلوم کریں کہ میں ان اعمال کو کن کن نیتوں سے انجام دوں؟ دوستو! یہ زندگی کی مہلت دھیرے دھیرے ختم ہوتی جا رہی ہے، وقت بہت تیزی

کے ساتھ گذرتا جا رہا ہے، خدارا ہم اپنے اوقات کی قیمت کو پہچانیں اور اللہ رب العزت کی عطا کردہ اس نعمت کو پورا پورا وصول کرنے کی کوشش کریں۔ مسلمان کا ہر لمحہ اور ہر منٹ قیمتی ہے، اسے تو چاہئے کہ وہ اپنے ہر عمل میں کچھ نہ کچھ ایسی نیتیں شامل کر لے کہ اس کا ہر منٹ آخرت کے اعتبار سے قیمتی بنتا چلا جائے۔

نفس کا ایک دھوکہ

ایک موقع پر آپ نے اس عاجز سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولوی سہیل! آدمی کو بعض اوقات جو یہ وساوس آتے ہیں کہ میرا نماز میں دل نہیں لگتا، تلاوت میں دل نہیں لگتا، ذکر میں دل نہیں لگتا، پھر دل نہ لگنے کے خیال اور احساس پر رنجیدہ اور ملول ہوتا ہے اور اس پر مطمئن ہوتا ہے کہ کم از کم مجھے اپنے دل نہ لگنے کا احساس تو ہے؛ یہ احساس بھی کیا کم غنیمت ہے؟ یہ وسوسہ بھی درحقیقت نفس اور شیطان کا دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی دیر اسے خدا کی یاد سے غافل کر کے اس خیال میں لگا دیتے ہیں اور پھر وہ اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے کہ میرا دل نہیں لگتا، میرا دل نہیں لگتا۔ حالانکہ دل کا لگنا ایک غیر اختیاری عمل ہے جس کا بندہ مکلف نہیں ہے۔ البتہ دل کا لگانا بندہ کے اختیار میں ہے اور وہ اسی کا مکلف بھی ہے۔ لہٰذا آدمی دل لگانے کی تدبیر تو کرتا رہے لیکن دل نہ لگنے کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔

یہ عاجز اس دقیق و لطیف تحقیق کو سن کر کچھ متحیر سا ہوا تو آپ نے اس کی حیرت کو بھانپتے ہوئے فرمایا کہ بیٹا! مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے کس طرح اس پیری مریدی کے سلسلہ کو اوراد و وظائف پوچھنے اور بتانے والا عمل سمجھ رکھا ہے؟ حالانکہ یہ اس سلسلہ کا مقصود ہرگز نہیں ہے، اس راہ کا مقصود تو اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرانا ہے۔ پھر فرمایا کہ

لوگوں کی اصلاح اور ان کا تزکیہ کرنا یہ ایک مستقل فن ہے اور جسے اللہ پاک اس کام کے لئے منتخب فرماتے ہیں اسے اس فن کے اسرار و رموز سمجھاتے ہیں، نفس اور شیطان کے مکائد اس پر منکشف فرماتے ہیں تاکہ وہ آنے والے طالبین کی مکمل رہنمائی کر سکے اور نفس اور شیطان کے دھوکوں پر انہیں مطلع کر سکے۔ اور جو طالبین ان کے دھوکوں میں گرفتار ہو چکے ہوتے ہیں ان کے حسب حال تدابیر اس کے قلب پر القا فرماتے ہیں جن پر عمل کر کے یہ طالبین ان کے دھوکوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ پیری اور مریدی کا یہ سلسلہ اسی کام کے لئے تھا لیکن افسوس کہ آج کل لوگوں نے اسے فقط اوراد و وظائف کی پابندی تک محدود سمجھ رکھا ہے۔

ایک حال اور اس کا علاج

ایک صاحب نے آپ کی خدمت میں اپنا حال بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! دوسروں کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف کو سوچ کر مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے، جب کبھی ان تکالیف کا خیال آتا ہے تو دکھ ہوتا ہے، ان کی طرف سے کچھ نہ کچھ میل بھی دل میں آجاتا ہے۔ میں یہ سوچ کر کہ کہیں یہ کینہ نہ ہو ان سے ملاقات پر قصداً انہیں سلام کرتا ہوں تاکہ میرے دل میں ان کی طرف سے کوئی برائی نہ رہے۔ لیکن وہ کبھی سلام میں پہل تو کیا کرتے میرے کسی سلام کا جواب تک نہیں دیتے۔ آخر میں اپنا یہ طرزِ عمل کب تک جاری رکھوں؟ اور کیا اس طریقہ پر عمل کرنے سے میرے دل کی کینہ سے حفاظت ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا کہ کینہ اس کا نام نہیں کہ دوسروں کی جانب سے پہنچنے والی اذیت پر دلی تکلیف ہو، یہ دکھ اور تکلیف تو بہر حال ہوا کرے گی۔ دیکھئے! حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت وحشیؓ کو اپنے سامنے آنے سے منع کر دیا تھا کہ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے

چچا کی یاد آجاتی ہے اور میرا زخم تازہ ہو جاتا ہے، لہٰذا تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ علماء کی تحقیق کے مطابق اس ممانعت میں بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان سے ہمدردی کارفرما تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تکلیف پہنچانے کے باعث یہ خدا کی گرفت اور اس کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں اس لئے چہرۂ انور کے سامنے آنے سے منع کر دیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کے سامنے آنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف بہر حال ہوتی تھی۔ تو کیا اس تکلیف کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ معاذ اللہ آپ کے دل میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کینہ تھا۔ ہرگز نہیں، بلکہ یہ دکھ اور تکلیف تو طبعی اور فطری چیز ہے۔

کینہ کی اصل اور اس کی حقیقت اس طبعی اور فطری دکھ کے مقتضی پر عمل کرنا ہے کہ ایذا پہنچانے والے کی برائی چاہی جائے اور اس کا نقصان سن کر دل خوش ہوتا ہو یا اس کے خلاف انتقام کا جذبہ دل میں موجود ہو۔ اگر یہ باتیں تمہارے اندر نہیں پائی جاتیں تو تم بالکل مطمئن رہو تمہارا دل کینہ سے پاک ہے۔ اور رہا تمہارا یہ طرزِ عمل تو اپنے اس طرزِ عمل کو اپنی اصلاح کی نیت سے جاری رکھو انشاء اللہ آئندہ بھی ان کی طرف سے کینہ سے محفوظ رہو گے۔ یہ فکر نہ کرو کہ وہ تمہارے سلام کا جواب نہیں دیتے اس لئے کہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے اور مخاطب اس کے سلام کا جواب نہیں دیتا تو پھر اس کے سلام کا جواب خود اللہ پاک دیتے ہیں۔ اب اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہوگی کہ تمہارے سلام کا جواب خود اللہ پاک دے رہے ہیں لہٰذا اپنا طرزِ عمل بدستور جاری رکھو۔ تاہم جب سامنے والے کے کبر کا شبہ ہونے لگے کہ شاید یہ کبر کی بناء پر سلام میں پہل نہیں کرتا تو پھر اسے سلام کرنا ترک کر دو۔ کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص کبر کی بناء پر لوگوں

کے سلام کرنے کا متمنی رہے تو ایسے شخص کو سلام نہ کرنا چاہئے، تاکہ خود اس کی نگاہ میں اس
کے بڑے پن کا زعم ٹوٹے۔

ایک اہم بات

ارشاد فرمایا: کہ اپنے نفس سے ہمیشہ بدگمان رہنا چاہئے، پتہ نہیں وہ کب کس دھوکہ
میں مبتلا کر کے ہماری دنیا اور آخرت اجاڑ دے۔ بعض اوقات نفس کی معمولی خطا پر برسوں
کی عطا چھین لی جاتی ہے۔

حالات کیسے درست ہوں گے؟

ایک صاحب نے ملاقات پر اپنے خانگی مسائل جس میں افراد خانہ کے مابین آپسی
رنجشوں اور ناچاقیوں کا تذکرہ تھا بتفصیل آپ سے بیان کئے اور اس بابت آپ سے مشورہ
طلب کیا۔ چونکہ آپ ان کے گھریلو احوال سے واقفیت رکھتے تھے اس لئے تمام تر تفصیلات
کو سننے کے بعد فرمایا کہ دیکھو میاں! اللہ پاک کا عام ضابطہ اور دستور بداعمالیوں پر فوری
گرفت کرنے کا نہیں ہے بلکہ وہ ڈھیل دیتے ہیں، مہلت دیتے ہیں تاکہ بندہ اپنی
بداعمالیوں سے توبہ کر لے۔ لیکن جب بندہ اپنی بداعمالیوں سے توبہ نہیں کرتا اور بدستور گناہ
کرتا جاتا ہے تو پھر ایک عرصہ گذرنے کے بعد اللہ پاک کی جانب سے ان بداعمالیوں کی سزا
مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی یہ سزا بیماری کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، کبھی یہ
سزا بے برکتی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، کبھی یہ سزا جانی اور مالی نقصان کی صورت میں
ظاہر ہوتی ہے، کبھی یہ سزا کسی مقدمہ میں ماخوذ ہوجانے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی

یہ سزا گھر والوں کے مابین توڑ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کے گھر میں آج جو یہ توڑ
کی شکل پیدا ہورہی ہے یہ بھی کسی نہ کسی بدعملی کی سزا ہے، خواہ وہ بدعملی فی الحال یا ماضی قریب
میں نہ ہوئی ہو لیکن پہلے کہیں ضرور ہوئی ہے جس سے اب تک توبہ نہیں کی گئی ہے۔ آدمی پر
جب حالات آتے ہیں تو وہ یہ سوچتا ہے کہ میں اس وقت تو کوئی نافرمانی والا کام نہیں کر رہا
ہوں، پھر آخر مجھ پہ یہ حالات کیونکر ہیں؟ اس کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ پہلے کہیں
کسی موقع پر اللہ پاک کی کوئی نافرمانی ایسی ضرور ہوئی ہے جس سے اب تک توبہ نہیں ہوئی
ہے جس کی بنا پر اس کی سزا اور اس کا خمیازہ اسے آج ان حالات کی صورت میں بھگتنا پڑ رہا
ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے تمام لوگ مل کر توبہ استغفار کریں، اس کے بعد اپنے تمام گھریلوں
معاملات میں شریعت کو فیصل اور حکم بنائیں۔ جب شریعت کی روشنی میں تمام معاملات طے
کئے جائیں گے تو از خود تمام باہمی اختلافات رفع ہو جائیں گے۔ گھر کا ہر فرد یہ طے کر لے
کہ میں اپنے حقوق کے مطالبہ کے بجائے دوسروں کے تمام حقوق کی رعایت کروں گا۔ ایسی
صورت میں کبھی اختلاف کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ میرا یہ پیغام اپنے گھر والوں کو
پہنچا دیں کہ اگر ان باتوں پر عمل نہ کیا گیا اور بے دینی اور بدعملی پر بدستور قائم رہے تو آگے
اس سے زیادہ مزید حالات اور اختلافات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہیں۔

اپنا ذاتی تجربہ

ارشاد فرمایا: کہ میں اپنے تجربہ کی روشنی میں یہ بات کہتا ہوں کہ آدمی کا دینی مزاج
بنانے میں حضرت تھانویؒ کی کتابوں کو بڑا دخل ہے۔ آپ کی کتابوں کو پڑھے بغیر عموماً
آدمی کا دینی مزاج نہیں بنتا۔ جب آدمی حضرتؒ کی کتابوں کو پڑھتا ہے تو دین پر عمل دینی

مزاج کے ساتھ کرتا ہے، انہیں پڑھے بغیر دین پر عمل کرنا چاہے تو عمل تو کرلے گا لیکن اپنی طبیعت اور اپنے مزاج کے مطابق عمل کرے گا۔ مجھے تو الحمدللہ حضرت تھانویؒ سے اس درجہ قوی نسبت ہوگئی ہے کہ جہاں کہیں مجھے کوئی الجھن پیش آتی ہے تو اس الجھن کا حل فوراً مجھے حضرتؒ کی کتاب سے مل جاتا ہے۔ بات کہنے کی تو نہیں ہے لیکن جب زبان پر آجاتی ہے تو کہہ دیتا ہوں۔ رمضان سے قبل میرا معمول اپنے کچھ محبین میں کپڑے تقسیم کرنے کا ہے، چنانچہ اس رمضان سے قبل بھی میں اپنے معمول کے مطابق گھر والوں کے ساتھ تمام لوگوں کے ہدایا الگ الگ پیک کرنے میں لگا ہوا تھا، فکر یہ تھی کہ شعبان ہی میں تمام ہدایا تقسیم ہوجاتے تاکہ رمضان سے قبل ذہن بالکل فارغ ہوجاتا۔ اسی اہتمام اور تیاری کے دوران مجھے ایک روز خیال ہوا اور اپنے اس خیال کی بنیاد پر میں نے اپنے گھر میں کہا کہ تمام لوگوں کے کپڑے جلدی جلدی ان تک پہنچوادو، کئی روز سے میں اسی کام میں لگا ہوا ہوں، تم لوگوں نے ابھی تک مجھے مخلوق میں الجھا رکھا ہے، میں اور کسی کام کا رہا ہی نہیں بس اسی میں لگا ہوا ہوں۔ اسی دوران حضرت تھانویؒ کی کتاب پڑھتے ہوئے ایک مضمون نظر سے گذرا جس میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ پاک کسی کو طاعت وعبادت کے ذریعہ اپنا تعلق عطا فرماتے ہیں اور کسی کو اپنی مخلوق کی خدمت کے ذریعہ اپنا تعلق نصیب فرماتے ہیں۔ بس اس بات کو پڑھ کر دل کو ایک گونہ اطمینان ہوگیا کہ شاید اللہ پاک مجھے اس خدمت کے ذریعہ ہی اپنا تعلق نصیب فرمادیں۔ دیکھئے! حضرتؒ کی کتاب سے فوراً اپنے اس خیال کی تردید مل گئی۔ لہٰذا آپ حضرات سے بھی کہتا ہوں کہ آپ لوگ حضرت تھانویؒ کی کتابوں کو ضرور پڑھیں، انہیں پڑھے بغیر دینی مزاج بننا عموماً مشکل ہے۔

بہت سے اجر چھوڑ کر بھی ملتے ہیں

ایک مرتبہ ایک مدرس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میں جس جگہ پڑھاتا ہوں وہاں کے ساتھی اساتذہ کسی طالبعلم کو بھیج کر محلہ کے ایک گھر سے چائے منگواتے ہیں۔ کیا میں اس میں سے چائے پی لیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ بھیجا جانے والا طالبعلم بالغ ہے یا نابالغ۔ اگر بالغ ہے تب تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر نابالغ ہے تو پہلے یہ بات کسی مفتی صاحب سے معلوم کی جائے کہ نابالغ طالبعلم سے اس طرح کی خدمت لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ رہا آپ کا چائے پینا سو اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر چائے کا وقت متعین ہے کہ فلاں وقت اس گھر سے چائے آیا کرے گی تب تو پینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر اپنی خواہش اور تقاضہ پر بنوائی جاتی ہے تو میں اس بات کو خود اپنے گھر میں پسند نہیں کرتا کہ اپنی طلب اور تقاضہ پر اپنے گھر والوں کو چائے بنانے کی زحمت دوں، پھر بھلا میں کسی دوسرے کے گھر سے متعلق یہ بات کیونکر پسند کرسکتا ہوں کہ اسے اپنی طلب اور تقاضہ کی وجہ سے زحمت میں مبتلا کیا جائے۔ دیکھئے! ابھی کل کی بات ہے کہ رات کے کھانے سے فارغ ہوکر مجھے چائے کا شدید تقاضہ ہوا، دونوں بہوئیں گھر میں نہیں تھیں صرف اہلیہ اور چھوٹی بیٹی موجود تھی اور دونوں ہی کچن کے کاموں سے فارغ ہوچکی تھیں۔ پہلے تو میں بہت دیر تک سوچتا رہا کہ ان سے چائے کے لئے کہوں نہ کہوں، پھر اندر ہی اندر میں نے اپنے نفس سے کہا کہ ایسا بھی کیا شدید تقاضہ ہے کہ اس کے بغیر رہا نہیں جاسکتا، اگر ایک وقت چائے نہیں پئے گا تو کوئی نقصان تو نہیں ہوگا؟ جب ان کا ذہن کچن کے کام سے فارغ ہوگیا ہے تو پھر انہیں دوبارہ کچن میں بھیج کر چائے بنانے

کی زحمت دینا کہاں کی دانش مندی ہے؟ ایک تو چائے بنانے کی زحمت دوسرے اس استعمال شدہ برتن کو دوبارہ دھونے کی زحمت۔ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنی راحت اور اپنے تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے کسی کو زحمت میں مبتلا کروں خواہ وہ بیوی اور بیٹی ہی کیوں نہ ہو، رہا تقاضہ تو وہ کچھ دیر کے بعد خود بخود ختم ہوجائے گا۔ چنانچہ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا اور اپنے نفس کو سمجھا کر رہ گیا، کچھ دیر کے بعد تقاضہ واقعی ختم ہوگیا۔ اب بتایئے اس نیت کے ساتھ چائے چھوڑنے پر مجھے کچھ اجر ملے گا یا نہیں؟ چائے پیتا تو کچھ اور نیتوں کے ساتھ پیتا لیکن اس نیت کے ساتھ چائے چھوڑنا بھی انشاء اللہ اجر سے خالی نہیں ہوگا۔

ایک صاحب کا اہتمام

ایک روز ایک صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ میرا ان کے ساتھ چار مہینہ کی جماعت میں ساؤتھ افریقہ کا سفر ہوا۔ چونکہ رات و دن ساتھ میں رہنا ہوتا اس لئے بہت قریب سے ان کے اعمال وافعال، حرکات وسکنات کو دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ وہ ہر عمل میں اتباعِ سنت کا اہتمام کرتے ہیں۔ بلکہ انہیں سنت کے اتباع کی ایسی فکر اور جستجو ہوتی کہ چھوٹے چھوٹے عمل کی سنت معلوم کرتے، کتابوں میں تلاش کرتے، علماء سے پوچھتے، یہ کوشش ہوتی کہ میرا کوئی عمل خلافِ سنت نہ ہو۔ حالانکہ حافظ ہیں نہ عالم، بلکہ خالص کاروباری آدمی ہیں لیکن اتباعِ سنت کی فکر اور جستجو ایسی جو میں نے کسی غیر عالم میں نہیں دیکھی۔ نماز بھی سنن اور مستحبات کی رعایت کے ساتھ اس اطمینان کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ دیکھنے والا رشک کرتا رہے۔ چنانچہ اسی سفر میں ایک صاحب کو خواب میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے

فرمارہے ہیں کہ نماز ...... کی طرح پڑھا کرو اور ابھی حال ہی میں ایک صاحب نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نماز تو ...... ان کی طرح پڑھا کرو۔

پھر فرمایا کہ میاں! جب آدمی ہر عمل میں اتباعِ سنت کا خیال رکھتا ہے تو اسے ایسی ہی بشارتیں ملا کرتی ہیں۔ کاش! ہمارے اندر بھی سنتوں کی تلاش وتتبع اور ان پر عمل کی ایسی فکر پیدا ہوجاتی تو ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وتعلق کا کچھ حصہ نصیب ہوجاتا۔

اللہ کی رحمت کے سہارا دینے کی مثال

ارشاد فرمایا: کہ جب بچہ چلنا شروع کرتا ہے تو ڈگمگاتا ہے، پھر گر پڑتا ہے، پھر اٹھ کر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ باپ اس کی حوصلہ افزائی اور ہمت بندھانے کی غرض سے شاباش شاباش کہتا ہے، اسے سہارا دینے کے لئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا ہے تاکہ وہ چلنا سیکھے، گرنے نہ پائے۔ لوگوں سے کہتا ہے کہ دیکھو میرا بیٹا چلنے لگا حالانکہ ابھی وہ چل نہیں پا رہا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب بندہ اللہ پاک کی جانب قدم بڑھاتا ہے تو اللہ کی رحمت گرنے سے پہلے اسے تھام لیتی ہے۔

فہم کیسے حاصل ہو؟

ایک نوجوان نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میں اپنے اندر فہم کی کمی پاتا ہوں، میرا فلاں دوست بڑا فہیم ہے میں چاہتا ہوں کہ اس سے زیادہ فہم مجھ میں پیدا ہوجائے۔ آپ نے فرمایا کہ فہم تقویٰ سے آتا ہے، تقویٰ اختیار کرو فہیم بن جاؤ گے۔ جو شخص جس قدر متقی ہوگا وہ اسی قدر فہیم اور موقع شناس ہوگا اور جو جتنا صفتِ تقویٰ سے عاری ہوگا وہ اتنا ہی فہم سے بھی کورا ہوگا۔ دیکھو! حضرت عمرؓ اسلام لانے سے قبل ایک

چرواہے کی حیثیت سے زندگی گزار رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں اونٹ چرانے جایا کرتا تھا، مجھے ٹھیک طرح سے اونٹ چرانے بھی نہیں آتے تھے، جب انہیں چرا کر شام کو گھر لوٹتا تو اونٹ بھوکے ہوتے، میرے والد مجھ سے کہتے کہ عمر! تجھے اونٹ چرانے بھی نہیں آتے، تو زندگی کیسے گزارے گا؟ لیکن جب ان کی زندگی میں دین آیا اور آپ صفتِ تقویٰ سے متصف ہو گئے تو پھر زندگی کیا گزاری رہتی دنیا تک کے لوگوں کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھلا گئے، مسلمانوں کے خلیفہ اور امام بنائے گئے اور عدل و انصاف پر مبنی وہ عدیم المثال حکومت کر کے دکھلا گئے کہ لوگ آج تک ان کے دورِ حکومت کی مثال دیتے ہیں۔ جو شخص اسلام لانے سے قبل اونٹوں کے چرانے سے ناواقف تھا وہ لوگوں کو زندگی گزارنے اور حکومت کے نظام کو چلانے اور سنبھالنے سے متعلق ایسی ہدایات اور ایسے اصول و ضوابط بتلا گیا جو آنے والے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

الغرض ان کے اندر یہ فہمِ صراطِ مستقیم کی ہدایت اور صفتِ تقویٰ سے آراستہ ہونے کے بعد ہی پیدا ہوا تھا۔ یہ صرف انہی کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ جو کوئی تقویٰ اختیار کرے گا اللہ پاک ضرور اسے فہم نصیب فرمائیں گے۔ دیکھو! اللہ والے اپنی ظاہری شکل و صورت اور وضع قطع کے اعتبار سے بہت بھولے بھالے اور معصوم نظر آتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کی ہیئت کو دیکھ کر انہیں بیوقوف بھی سمجھتے ہیں لیکن ہم نے اچھے اچھے ذہین اور ہوشیار لوگوں کو دیکھا کہ جب انہیں کسی معاملہ میں الجھاؤ ہوتا ہے یا کسی امر میں کوئی دشواری لاحق ہوتی ہے تو وہ فوراً انہیں اللہ والوں کے پاس پہنچتے ہیں کہ چل کر حضرت سے مشورہ کریں گے۔ یہ حضرت سے مشورہ کرنے اسی لئے آتے ہیں کہ انہیں حضرت کی فہم پر اعتماد ہوتا ہے، انہیں

یقین ہوتا ہے کہ حضرت اس مسئلہ میں ہماری ضرور رہنمائی فرمائیں گے۔ حالانکہ وہ حضرات معاشرہ میں بذاتِ خود بہت فہیم اور سمجھدار سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں بعضے بڑے بڑے تاجر بھی ہوتے ہیں جنہیں دنیا بھر کی معلومات ہوتی ہے لیکن معاشرہ کے پڑھے لکھے اور سمجھدار حضرات ان بوریہ نشینوں سے مشورے طلب کرتے ہیں۔ یہ صرف اور صرف ان اللہ والوں کے تقویٰ کی بنیاد پر ہوتا ہے لہٰذا اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کرو، فہم خود بخود تمہارے اندر پیدا ہو جائے گا۔

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں

ایک مرتبہ آپ نے ایک صاحب کے گھر رات میں قیام کیا۔ جہاں قیام تھا وہاں قریب میں کوئی باقاعدہ مسجد نہیں ہے بلکہ بلڈنگ ہی کے ایک فلیٹ میں باجماعت نماز ہوتی ہے۔ جب آپ فجر کی نماز پڑھنے وہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک کنارے کچھ دھول مٹی پڑی ہے، کھڑکیوں پر بھی گرد و غبار جما ہوا ہے، دیواروں پر کہیں کہیں جالے بھی ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مختصر بیان کیا، دورانِ گفتگو آپ نے فرمایا کہ دیکھئے! آپ حضرات یہاں نماز پڑھتے ہیں۔ اگرچہ یہ جگہ شرعاً مسجد نہیں ہے لیکن چونکہ یہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے اس لئے یہ جگہ قریب قریب مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ اس لئے اس جگہ کا ادب و احترام بھی مسجد ہی کی طرح کرنا چاہئے۔ ہم اور آپ اپنے گھر میں صاف صفائی رکھنا اور دیکھنا پسند کرتے ہیں جب کبھی خیال ہوتا ہے کہ گھر صاف ستھرا نہیں ہے، دھول مٹی بہت ہو گئی ہے تو ہم فوراً گھر کی صفائی کرواتے ہیں۔ آخر یہ مسجدیں بھی تو اللہ کا

گھر ہے، انہیں بھی صاف ستھرا رکھنا چاہئے۔ ہمیں اپنے گھر کی صفائی کا تو بڑا خیال رہتا ہے لیکن اللہ کے گھر کی صفائی کا خیال کبھی نہیں آتا۔ کیا یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے؟ لیکن ہم اسے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے، سمجھتے ہیں کہ یہ مسجد کے خادمین کا کام ہے۔ انہیں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسجد کو صاف ستھرا رکھیں۔ بیشک مسجد کی صاف صفائی مسجد کے خادمین کا کام اور ان کی ذمہ داری ہے لیکن کیا یہ مسجد صرف انہیں کی مسجد ہے ہماری نہیں ہے؟ کیا اللہ کے گھر کی ضرورت صرف انہیں کو ہے ہمیں نہیں ہے؟ کیا اس میں صرف وہی نماز پڑھتے ہیں ہم نہیں پڑھتے؟ اور میاں! ہم خود کہاں نماز پڑھنے آتے ہیں یہ تو اللہ پاک کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہمیں نماز پڑھنے بلا لیتے ہیں ورنہ کتنے ایسے ہیں جنہیں مسجد میں آنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی، اللہ پاک انہیں نہیں بلاتے۔ اور کتنے ایسے ہیں جنہیں صرف جمعہ جمعہ یا صرف عیدین میں بلاتے ہیں اور وہ بھی باہر ہی باہر رکھتے ہیں کہ اپنی چٹائی، اپنا مصلی یا اپنا اخبار بچھا کر وہیں نماز پڑھ لو میرے گھر میں مت آنا۔ یہ تو ان کی کتنی بڑی مہربانی اور ہمارے لئے کس قدر اعزاز واکرام کی بات ہے کہ اللہ پاک نہ صرف ہمیں اپنے گھر میں بلاتے ہیں بلکہ پانچوں وقت بلاتے ہیں۔ اس انعام واکرام کا مقتضی یہ ہے کہ ہم اللہ کے گھر کا غایت درجہ ادب واحترام کریں، اس گھر کو اپنے گھر کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سمجھیں، اس کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت سمجھیں، اس کی صاف صفائی کو اپنی ذمہ داری سمجھیں اور پھر آپ سے کون کہتا ہے کہ آپ روزانہ مسجد کی صاف صفائی کریں بلکہ جب کبھی موقع ہو، فرصت ہو تو کچھ وقت خادمین کے ساتھ لگ کر ہاتھ بٹا دیں۔ ذوق وشوق اور رغبت ومحبت کے ساتھ کہ یہ میرے مالک کا گھر ہے، میں اس کا ادنیٰ غلام ہوں، میں اپنے

مالک کے گھر کی صفائی کر رہا ہوں، کچھ اس تصور کے ساتھ اللہ کے گھر کی صفائی کریں۔ پھر دیکھیں اللہ پاک کی رحمت کس طرح آپ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ آپ کو اپنا تعلق کیسے نصیب فرماتے ہیں۔

دوستو! آپ نے سنا ہوگا کہ عبادت سے جنت ملتی ہے اور خدمت سے خدا ملتا ہے۔ جب اللہ کے گھر کی صفائی اور اس کی خدمت کی جائے گی تو پھر اللہ پاک کتنا خوش ہوں گے اور کتنا اپنی محبت اور تعلق سے نوازیں گے۔

ورنہ کل قیامت میں باز پرس ہوگی

اپنی نوجوانی کے دنوں میں جب کبھی مجھے موقع ہوتا تو میں مسجد چلا جاتا اور مسجد کی صفائی کرتا۔ لیکن آج کل لوگ اسے اپنے لئے باعثِ عار سمجھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ یہ تو خادمین کا کام ہے اس سے ہماری شان گھٹ جائے گی۔ اس کام کو حقیر جاننے کی وجہ سے وہ خادمین کو بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی مسجد کا ٹرسٹی ہے تو پھر تو مت پوچھئے وہ ساری مسجد کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے، مؤذن اور خادمین کو اپنا نوکر اور غلام سمجھتا ہے، ان سے تیز گفتگو کرتا ہے الا ماشاء اللہ۔ اور آج کل ٹرسٹی یا عام طور پر لوگ مؤذن اور خادمین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دوستو! یہ کل قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ ان کا اللہ کے یہاں کیا مقام تھا، ان کے ساتھ اللہ کے گھر کی بہت بڑی نسبت لگی ہوئی ہے کہ ایک اللہ کے گھر کا مؤذن ہے جو لوگوں کو اللہ کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور دوسرے خادمین ہیں جو بے چارے ہر وقت اللہ کے گھر کی صفائی اور ہماری راحت کے انتظام میں لگے رہتے

ہیں۔ ان کے ساتھ تیز نہ بولیں اور نہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھیں ورنہ کل قیامت میں بہت سخت باز پرس ہوگی۔

ایک نوجوان کی دعا

ایک مرتبہ میرے پاس ایک نوجوان عالم کا فون آیا، کچھ عرصہ قبل ہی ان کا ایک مدرسہ میں مدرس کے طور پر تقرر ہوا ہے۔ کہنے لگے کہ میں نے کل اللہ پاک سے کہا کہ یا اللہ! میں آپ کی رضا کے واسطہ اور صرف اور صرف آپ کو خوش کرنے کے لئے کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جس کا علم صرف آپ کو ہو، مخلوق کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ آپ میرے دل میں ڈالئے کہ میں کیا کروں جس سے آپ خوش ہوجائیں اور مجھے آپ کا تعلق مل جائے۔

دیکھئے! لوگوں کی کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں ہیں، کیا کبھی ہمارے دل میں بھی ایسی تمنا پیدا ہوئی کہ یا اللہ! ہم بھی آپ کی رضا کے واسطے کوئی ایسا کام کرنا چاہتے ہیں جس کا علم مخلوق کو نہ ہوسکے۔ ایسی آرزو کبھی ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوتی، ہمارے دل کی تمام تر آرزوئیں صرف اور صرف دنیا کو بنانے اور اسے سنوارنے سے متعلق ہوتی ہیں کہ کاش! یہ مل جاتا، کاش! وہ مل جاتا، کاش! یہ بن جاتے، کاش! وہ بنا لیتے اسی میں ساری عمر گزر جاتی ہے۔ دنیا کی محبت نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا، ہر وقت یہ محبت دل میں سمائی رہتی ہے اور اس طرح سما گئی ہے کہ اب ہمیں کسی دوسری بات کے سوچنے اور سمجھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔

ایک یہ بھی نوجوان ہے جس کے دل کی یہ آرزو ہے کہ میں ایسا کون سا کام کر جاؤں کہ جس سے میرا اللہ مجھ سے راضی ہوجائے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ پاک سے کہنا شروع کیا کہ یا اللہ! مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا آپ ہی میرے دل میں ڈال دیجئے۔ کہنے لگے

کہ اللہ پاک نے میرے دل میں ڈالا کہ جا کر مسجد کی صفائی کرو، اس کا غسل خانہ اور بیت الخلاء صاف کرو۔ چنانچہ رات بارہ بجے جب مدرسہ کے تمام اساتذہ اور طلباء سوگئے اور مسجد بالکل خالی ہوگئی تو میں نے مسجد کی صفائی شروع کی اور رات دو بجے تک صفائی کرتا رہا۔ غسل خانہ اور بیت الخلاء سمیت پوری مسجد کی صفائی کی۔ صفائی سے فارغ ہوکر غسل کیا، صاف ستھرے کپڑے پہنے اور دوبارہ مسجد میں آیا اور اللہ پاک سے کہا کہ یا اللہ! مخلوق کو میرے اس عمل کی خبر نہیں ہے، آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کام صرف آپ کو راضی کرنے کے لئے کیا ہے، لہٰذا آپ مجھ سے راضی ہوجائیے اور مجھے اپنی محبت اور اپنا تعلق نصیب فرما دیجئے، یہ کہہ کر میں نے نماز کی نیت باندھ لی۔ کہنے لگے کہ حضرت! اس وقت میں نے جو نماز پڑھی ایسی نماز تو زندگی میں کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ نماز ختم کرنے کا جی ہی نہیں چاہ رہا تھا، قرآن پاک کی تلاوت میں جو لذت اور سجدہ کی حالت میں رحمٰن کے قدموں پر سجدہ کرنے کے تصور سے جو کیف ہو رہا تھا میں اسے بیان نہیں کرسکتا، صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اللہ کی محبت دل میں اترتی چلی جارہی ہے۔

دوستو! یہ بھی تو آج کے نوجوان ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان رہتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ انہیں نماز کی حلاوت، تلاوت کی لذت اور سجدوں کا کیف مل رہا ہے، یہ نعمت اور دولت ہمیں کیوں نہیں مل رہی ہے؟ جبکہ اللہ پاک نے یہ لذت وحلاوت فی نفسہ ان اعمال میں رکھی ہے۔ کیا یہ سوچنے کی بات نہیں ہے؟ آج بھی یہ لذت وحلاوت ان میں موجود ہے اور ابھی اللہ کے ایسے بندے بہت ہیں جو اسے محسوس کررہے ہیں۔ ہم بھی اس لذت وحلاوت کو محسوس کرسکتے ہیں لیکن اس کے لئے شرط ہے کہ ہمارا دل جوان چیزوں کو

محسوس کرتا ہے وہ گناہوں سے پاک صاف ہو، گناہوں سے آلودہ دل گناہ کی لذت کو تو محسوس کرسکتا ہے لیکن نماز کی حلاوت اور سجدوں کے کیف کو محسوس نہیں کرسکتا۔ اس لئے ہم یہ طے کرلیں کہ آج سے ہر قسم کا گناہ چھوڑ دیں گے، اس دل پر گناہ کی ظلمت اور سیاہی نہیں لگنے دیں گے پھر دیکھیں ان شاء اللہ کچھ ہی دنوں میں ہمارا دل بھی ان چیزوں کی حلاوت کو محسوس کرنے لگے گا۔ اللہ پاک ہم سب کو یہ نعمت نصیب فرمائیں۔ آمین

ایک بڑا روحانی مرض

ارشاد فرمایا: کہ ایمان کی نعمت ملنے کے بعد ایمان ہی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا ہی اصل کامیابی ہے۔ فقط اس پر اطمینان نہ ہونا چاہئے کہ ہم صاحب ایمان ہیں تو خاتمہ بھی ایمان ہی پر ہوگا۔ اس لئے کہ حدیث پاک میں بعض گناہوں کی قباحت اس قدر بیان کی گئی ہے کہ ان کی نحوست سے ایمان تک سلب ہوجاتا ہے اور آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا، لوگ اسے مسلمان سمجھ کر اپنے قبرستان میں دفن تو کردیں گے لیکن موت سے پہلے پہلے اس سے ایمان چھین لیا گیا ہوگا۔ انہی گناہوں میں ایک گناہ اپنے دل میں کسی کی طرف سے برائی رکھنا ہے جسے اصطلاح میں کینہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑا روحانی مرض ہے، حدیث پاک میں اس کی مختلف قباحتیں اور مختلف نقصانات بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ کینہ رکھنے والے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ پندرہویں شعبان کی رات جو شب مغفرت کہلاتی ہے جس میں اللہ پاک کی رحمت گناہ گاروں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور بڑے بڑے پاپیوں اور گناہ گاروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ ایسی مبارک رات میں بھی کینہ رکھنے والے شخص کی مغفرت نہیں کی جاتی،

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ کینہ رکھنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

جنت میں کون داخل نہیں ہوگا؟

ان روایات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس شخص کے دل میں کینہ ہوگا اگر وہ اس سے توبہ کئے بغیر اسی کینہ کے ساتھ انتقال کر گیا تو ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حالانکہ روایت میں آتا ہے کہ ایک مؤمن اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان بچا کر لے جائے گا تو اللہ پاک اسے اس دنیا سے دس گنا بڑی جنت عطا فرمائیں گے۔

ان دونوں روایتوں کے تقابل سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ ایک مؤمن بہرحال جنت میں داخل ہوکر رہے گا خواہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ایمان دنیا سے لے کر گیا ہو۔ جبکہ کینہ رکھنے والے کے متعلق اللہ کے نبی ﷺ فرمارہے ہیں کہ یہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا۔ اس گناہ کی نحوست کی وجہ سے موت سے پہلے پہلے اس کا ایمان چھین لیا جائے گا۔ اس لئے کہ اگر خاتمہ ایمان پر ہوتا تو جنت میں ضرور داخل ہوتا۔ معلوم ہوا کہ ایمان چھننے کی وجوہات میں ایک وجہ دل میں کینہ کا ہونا بھی ہے بلکہ ایمان کے سلب ہونے میں کینہ کو بڑا دخل ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا میں آدمی کا دل جلتا ہے کہ جس کی طرف سے دل میں کینہ ہے ہر وقت اس کی برائی کو سوچ سوچ کر اپنے دل کو جلاتا رہتا ہے اور آخرت میں جہنم کی آگ میں لپٹ کر اس کا دل اور جسم دونوں جلے گا۔

دوستو! یہ بہت ہی ڈرنے کی بات ہے۔ ہم بغور اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور اپنے دل کو ٹٹولیں کہ کہیں اس میں کسی کی طرف سے کینہ تو نہیں ہے۔ ہم معاشرہ میں رہتے ہیں،

اس معاشرہ میں رہتے ہوئے ہمارا بہت سے لوگوں سے مختلف معاملوں میں سابقہ پڑتا ہے، اگر کسی معاملہ میں ہمارا کسی کے ساتھ اختلاف ہوتا ہے اور بات جھگڑے تک پہنچتی ہے تو اگر ہم اس سے مضبوط ہیں اور ہمیں انتقام کی قدرت حاصل ہے تب تو ہم انتقام لے لیتے ہیں، لیکن اگر ہم کمزور ہیں اور ہمیں انتقام کی قدرت حاصل نہیں ہے تو ہم اپنے غصہ کا اظہار نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اگر غصہ کا اظہار کریں گے تو ہمیں ہی منہ کی کھانی پڑے گی اس لئے خاموش رہ جاتے ہیں، لیکن دل ہی دل میں اس سے نفرت کا جذبہ رکھتے ہیں، اندر ہی اندر اس کا تصور کر کے اس سے لڑتے رہتے ہیں، کبھی نہاتے ہوئے اس سے لڑتے ہیں، کبھی کھانا کھاتے ہوئے اس سے لڑتے ہیں، کبھی بیت الخلاء میں اس سے لڑتے ہیں حتیٰ کہ نماز کی حالت میں ہوتے ہیں تب بھی اس سے لڑائی کرتے رہتے ہیں کہ یوں کہنا چاہئے تھا اور یوں کرنا چاہئے تھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ جو نفرت کے جذبات دل ہی دل میں اس کے خلاف بن رہے ہیں اور اندر ہی اندر جو برائیاں اس کے خلاف جمع ہو رہی ہیں یہی درحقیقت کینہ ہے جس کے متعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کینہ رکھنے والا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کا محاسبہ کریں اور اپنے دل کا جائزہ لیں کہ کہیں اس میں بیوی کی طرف سے، بہن بھائیوں کی طرف سے، پڑوسیوں کی طرف سے، رشتہ داروں کی طرف سے، ملنے جلنے والوں کی طرف سے، ملازم ہیں تو اپنے سیٹھ کی طرف سے، سیٹھ ہیں تو اپنے ملازمین کی طرف سے، بیوپاری ہیں تو اپنے ساتھی بیوپاریوں کی طرف سے، مشترک کاروبار ہے اور بہت سے پارٹنرس ہیں تو اپنے پارٹنروں کی طرف سے، کہیں کسی کی طرف سے ہمارے دل میں کوئی برائی تو نہیں ہے؟ کسی کا

نقصان سن کر ہمارا دل خوش تو نہیں ہوتا؟ گر ہوتا ہے تو بہت جلد اس مرض کا علاج کرنا ضروری ہے۔ اللہ والے روحانی طبیب ہوتے ہیں، ان سے اس روحانی مرض کا علاج پوچھیں کہ حضرت! ہمارے دل میں فلاں کی طرف سے کینہ ہے ہم اس کا علاج کرنا چاہتے ہیں، آپ ہمیں اس کا علاج بتلا دیں۔ جب ہم پوچھیں گے تو وہ ضرور اس کا علاج بتائیں گے، اور جب ہم ان کے بتائے ہوئے علاج کے مطابق عمل کریں گے تو انشاء اللہ اس مرض سے نجات پا جائیں گے۔

ایک نکتہ

یاد رکھیں! جسمانی مرض خواہ کتنا ہی مہلک کیوں نہ ہو اگر اس کے علاج میں غفلت برتی گئی تو زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوگا کہ آدمی کی موت واقع ہو جائے گی اس سے زیادہ تو کچھ نہیں ہوگا۔ اور قرآن و حدیث میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ کسی مہلک مرض میں انتقال کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر روحانی مرض کے علاج میں غفلت برتی گئی اور خاص طور پر وہ امراض جن کے متعلق حدیث پاک میں بتایا گیا کہ ان امراض کے ساتھ مرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ اگر ہم نے ان کے علاج کی طرف سے غفلت برتی تو ہماری دنیا تو اجڑے گی ہی، جنت میں داخلہ سے محرومی کی وجہ سے آخرت بھی برباد ہو جائے گی، لہٰذا ان کے علاج کی طرف فوری طور پر متوجہ ہونا چاہئے۔ کینہ بھی انہیں امراض میں سے ایک مرض ہے جس کا فوری علاج کرنا چاہئے۔

کینہ کا علاج کیا؟

علاج کے طور پر کچھ باتیں بتائیں دیتا ہوں اگر ان پر عمل کرو گے تو انشاء اللہ بہت

جلد اس مرض سے نجات پا جاؤ گے۔

۱) علاج کے طور پر سب سے پہلے دعا کا اہتمام کریں۔ قرآن وحدیث میں ایسی بہت سی دعائیں بتائی گئی ہیں جن میں تقریباً تمام امراضِ روحانیہ کا علاج موجود ہے۔ جب ہم ان دعاؤں کا اہتمام کریں گے تو انشاء اللہ ان امراض اور رذائل سے شفاء نصیب ہوگی۔ کینہ کے مرض سے متعلق بھی قرآن مجید میں ایک دعا تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ حشر کی ایک آیت ہے "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ" کہ اے ہمارے رب! بخش دیں آپ ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے آگے پہنچے ایمان میں، اور نہ کر ہمارے دلوں میں کدورت ایمان والوں کے ساتھ: اے ہمارے رب! آپ بہت مہربان رحم والے ہیں۔

خدا نہ کرے کسی کو یہ مرض لاحق ہو لیکن اگر کوئی اس مرض میں مبتلا ہے تو وہ بکثرت اس دعا کا اہتمام کرے۔ انشاء اللہ دھیرے دھیرے اس مرض کا اثر کم ہونا شروع ہو جائے گا۔

۲) علاج کے طور پر دوسرا کام یہ کریں کہ جس کی طرف سے دل میں کینہ ہو اس کا اکرام کرنا شروع کردیں۔ کہیں سے آتا دکھائی دے تو اس کے اکرام میں کھڑے ہو جائیں، بڑھ کر سلام اور مصافحہ کریں، اس کی خیریت پوچھیں۔

۳) تیسرا کام یہ کریں کہ اس کے حق میں کچھ نہ کچھ صدقہ کرتے رہا کریں نیز اس کے حق میں غائبانہ دعا بھی کرنے لگیں۔

دوستو! علاج وتدبیر کے یہ سارے کام اختیاری ہیں، جب ہم اپنے اختیار سے یہ سارے کام کرنے لگیں گے تو پھر اللہ پاک وہ کریں گے جو ان کے اختیار میں ہے یعنی

اپنی قدرت سے ہمیں اس مرض سے نجات نصیب فرمائیں گے۔ اللہ پاک میرا، آپ کا اور تمام مومنین ومومنات کا دل کینہ سے پاک وصاف رکھیں۔

عوام کس سے تعلق رکھیں؟

ارشاد فرمایا: کہ علم نور ہے اور جہل ظلمت ہے، اپنی ضرورت بھر کے دین سیکھنے اور مسائل کے جاننے کا ہر شخص مکلف ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ اور شریعت کا ہم سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ تم خواہ جس شعبہ میں اور جس حال میں ہو اپنے اس شعبہ اور اپنی اس حالت سے متعلق شریعت کے احکام معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے زندگی گزارو۔ اس لئے عوام کو چاہئے کہ وہ علماء سے بکثرت میل جول رکھیں، اپنے مسائل ان کے سامنے رکھ کر ان کا شرعی حل معلوم کرنے کی فکر کریں نیز علماء بھی کتب فقہیہ کے مطالعہ اور مراجعت سے اپنے کو مستغنی نہ سمجھیں اور اپنے ہر عمل کو سنت وشریعت کے سانچہ میں ڈھالنے کا اہتمام کریں۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ مسائل پوچھے اور جانے بغیر کس طرح زندگی گزارتے ہیں؟ کیا کہیں مسلمان بھی مسائل سے بے پرواہ ہو کر زندگی گزارا کرتے ہیں؟ مسائل جانے بغیر تو دین پر صحیح طریقہ سے عمل کیا ہی نہیں جا سکتا، مسائل سے لاعلم شخص غلط کو صحیح سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرتا رہتا ہے اور باوجود سمجھانے کے اس پر اصرار کرتا ہے۔ اس لئے کہ طبیعت اس غلطی اور بدعملی سے مانوس ہو چکی ہوتی ہے جس کے خلاف عمل کرنا طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ میں تو جب تک پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل علماء سے معلوم نہیں کر لیتا اس وقت تک طبیعت اندر سے بے چین رہتی ہے اور جب معلوم کر لیتا ہوں تو قلب میں اطمینان وفرحت اور نورانیت محسوس کرتا ہوں بلکہ سچ کہتا ہوں کہ مجھے نوافل

پڑھنے سے قلب میں وہ نورانیت محسوس نہیں ہوتی جتنی نورانیت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب میں علماء اور مفتیان کرام سے مسائل پوچھ کر اٹھتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں نے اپنی یہ کیفیت ایک مفتی صاحب سے بیان کی تو مفتی صاحب فرمانے لگے کہ شکیل بھائی! علم تو سراسر نور ہے، حاصل ہوجانے کے بعد اس کی نورانیت قلب میں محسوس ہونی ہی چاہئے۔ میں نے کہا کہ مفتی صاحب! میں اس بات کو اعتقاداً نہیں بلکہ حساً محسوس کرتا ہوں۔

جب چاہت نہیں تو ملے گی کیسے؟

ایک روز آپ نے پنویل کی جامع مسجد میں اللہ کی محبت، اس کے پاک نام کی لذت اور نماز کی حلاوت کے عنوان پر نہایت پُر اثر بیان فرمایا: بیان سے فارغ ہوکر جب آپ باہر تشریف لائے تو ہم لوگوں سے فرمایا کہ بتاؤ میاں! کیا اللہ کی محبت اور ان کے پاک نام کی لذت حاصل نہیں کی جاسکتی؟ کیا نماز کو اچھا بنایا نہیں جاسکتا؟ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اتنے برسوں سے نماز پڑھ رہے ہیں آج تک ہمیں نماز اچھی نہیں لگی اور نہ کبھی اس کی حلاوت محسوس ہوئی۔ کبھی ہمیں یہ خیال ہی نہیں ہوتا اور نہ کبھی ہم یہ حساب لگاتے ہیں کہ جب اللہ پاک نے نماز میں حلاوت رکھی ہے تو آخر یہ حلاوت ہمیں کیوں محسوس نہیں ہوتی؟ میاں! جب حساب لگائیں گے اور فکر کریں گے کہ ہماری نماز کس طرح اچھی بن جائے کہ ہمیں نماز کی حلاوت ملنے لگے، اللہ کے نام کی لذت ملنے لگے، ان کی محبت محسوس ہو تو یقیناً یہ باتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے ہم ان باتوں کے حاصل کرنے کا ارادہ کریں۔ ابھی تو یہ بات ہمارے ارادوں میں ہے ہی نہیں کہ ہمیں اللہ کی محبت کو پانا ہے، ان کے پاک نام کی لذت کو پانا ہے، ہماری چاہتوں میں اللہ کی محبت کی چاہت کے سوا تمام

چیزوں کی چاہت موجود ہے۔ جب چاہت ہی نہیں ہے تو اللہ کی محبت کیسے ملے گی؟ اللہ پاک اپنی محبت کا جام صرف انہیں کو پلاتے ہیں جن کے دلوں میں ان کی محبت کے پانے کی چاہت بھی موجود ہو۔

دوستو! جس دن ہمارے دل میں اللہ کی محبت کو پانے کی چاہت پیدا ہوجائے گی اس دن اللہ پاک ہمیں اپنی محبت سے محروم نہ فرمائیں گے اور جب ہمیں ان کی محبت حاصل ہوجائے گی تو پھر ہمیں تنہائی میں ان سے راز و نیاز کی باتیں کرنا اور ان سے مناجات کرنا اچھا لگنے لگے گا۔ کیونکہ ہر محب اپنے محبوب سے تنہائی چاہتا ہے، وہ اپنے محبوب سے جدائی کیونکر سوچ سکتا ہے؟ ہمیں اللہ سے محبت ہے یا نہیں اور ہے تو کس درجہ کی ہے اس کا پیمانہ نماز ہے۔ جس کو جس قدر اللہ سے محبت ہوگی اسی قدر اس کو نماز اچھی لگے گی۔ کیونکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ نمازی نماز کی حالت میں اللہ پاک سے چپکے چپکے باتیں کرتا ہے۔ اب جسے اللہ پاک سے محبت ہوگی وہ موقع پاتے ہی نماز کی طرف متوجہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ میں اپنے محبوب سے باتیں کروں گا۔ ہمیں اللہ پاک سے محبت ہے یا نہیں تو اس سلسلہ میں ہم خود اپنا محاسبہ کرلیں کہ ہمیں نماز کتنی اچھی لگتی ہے۔ اگر اچھی لگتی ہے تو یہ اللہ سے محبت کی علامت ہے اور اگر نہیں لگتی تو یہ اللہ سے محبت نہ ہونے کی علامت ہے۔ اللہ والوں کو اللہ سے محبت ہوتی ہے اسی لئے انہیں نماز اچھی لگتی ہے۔

بزرگوں کے واقعات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں کہ انہیں نماز اتنی اچھی لگتی تھی کہ ساری ساری رات نماز میں مشغول رہ کر اپنے محبوب سے باتیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ ایک ایک رکن میں پوری پوری رات گزار دیتے کہ آج رکوع کی رات ہے تو ساری رات رکوع

میں ہیں، آج سجدہ کی رات ہے تو ساری رات سجدہ میں ہیں، آج قیام کی رات ہے تو ساری رات قیام کی حالت میں ہیں، بلکہ انہیں رات کے چھوٹا ہونے کا شکوہ ہوتا تھا کہ ابھی تو میں نے اپنے محبوب سے بات شروع ہی کی تھی کہ رات ختم ہوگئی! وہ اپنی دعاؤں میں اللہ پاک سے کہا کرتے تھے کہ یا اللہ! آپ کی رات کتنی چھوٹی ہوگئی کہ اس میں دو رکعت بھی اطمینان سے نہیں پڑھی جاتی۔

دوستو! بزرگوں کے واقعات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور ہم سب انہیں فضائل کی تعلیم میں سنتے سناتے ہیں لیکن افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ جو ان کے کرنے کے کام تھے وہ آج ہمارے سننے، پڑھنے اور بیان کرنے کے کام ہوگئے۔ بس اللہ پاک ہی ہمارے حال پر رحم فرمائیں۔

ایک مفتی صاحب کا سوال

ایک روز ایک مفتی صاحب نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور افادیت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا تاہم یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس میں عوام سے تو چلے اور چار مہینے مانگے جاتے ہیں جبکہ علماء سے سال مانگا جاتا ہے۔ حالانکہ علماء کے پاس علم ہوتا ہے، وہ دین سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں اس کے باوجود ان سے زیادہ وقت کا مطالبہ ہوتا ہے آخر کیوں؟ جواباً آپ نے نہایت مختصر مگر جامع ارشاد فرمایا کہ جی مفتی صاحب! ان سے زیادہ وقت کا مطالبہ اس لئے ہے تاکہ ان کی علمی زندگی عملی زندگی بن جائے۔

امید صرف اللہ سے

سفرِ حج میں کچھ مخلص محبین اکثر آپ کے ساتھ ہو لیتے ہیں جو نہ صرف آپ کے تجربات سے مستفید ہو کر اپنے اس مبارک سفر کو زیادہ نافع اور کارآمد بناتے ہیں بلکہ لمحہ بہ لمحہ آپ کے فیوض و برکات سے بھی مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ حضرات اپنی سعادت سمجھتے ہوئے پورے سفر آپ کی راحت اور سہولت کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کا سفرِ حج کمیٹی سے ہوا، اتفاق کہ ساتھ جانے والوں میں سے اکثر کا درخواست فارم نامنظور ہوگیا، آپ کے ساتھ صرف دو ساتھی جاسکے جن میں ایک آپ کے بڑے بھائی صاحب تھے۔ روانگی کے دن ایک مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! سفر میں آپ کی راحت کے تعلق سے بڑی تشویش ہے کہ دیگر اسفار میں ساتھی ساتھ رہا کرتے تھے جو آپ کی ہر ممکن راحت کا خیال رکھتے تھے۔ فرمایا مفتی صاحب! فکر کی کوئی بات نہیں ہے مجھے تو اس تعلق سے بالکل بھی تشویش نہیں ہے بلکہ سچ کہوں تو پچھلے اسفار کی بہ نسبت اس سفر میں میرے دل میں اطمینان کی کیفیت کچھ زیادہ ہی ہے۔ بھئی! حجاج ضیوف الرحمن ہوتے ہیں، ان کی میزبانی اللہ پاک کے ذمہ ہوتی ہے۔ بھلا اللہ رب العزت جن کا میزبان ہو انہیں اپنی راحت کے تعلق سے کیونکر تشویش ہوگی؟ وہ خود ہماری راحت اور سہولت کا انتظام فرمائیں گے۔ اور پھر میں تو بیمار اور کمزور بھی ہوں، یہ تو ہمارا بھی دستور ہے کہ ہم اپنے مہمانوں کی حالت کے موافق ان کی راحت و سہولت کا انتظام کرتے ہیں کہ جو مہمان کمزور اور ضعیف ہوتا ہے، فرش پر بیٹھ نہیں پاتا ہم اس کے لئے کرسی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر اس پر بیٹھنے میں بھی اسے دشواری ہوتی ہے تو اس کے لئے نرم گادی اور تکیہ کا انتظام کرتے ہیں تاکہ خوب اطمینان سے ٹیک لگا کر بیٹھ سکے اور اگر لیٹنا چاہے تو بسہولت

لیٹ سکے۔ بیمار اور کمزوروں کا تو ہم بھی اتنا خیال کرتے ہیں پھر کیا اللہ پاک ہم بیماروں کی رحمت کا خیال نہیں رکھیں گے؟ لہٰذا مجھے تو اس تعلق سے بالکل بھی تشویش نہیں ہے۔

مقدر کا ٹلتا نہیں

ارشاد فرمایا: کہ روزی مقدر ہو چکی ہے، خدا کی قسم آدمی کو اس کے مقدر سے زیادہ مل ہی نہیں سکتا۔ اور جو مقدر ہو چکا وہ بہر حال مل کر رہے گا۔ (اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ) بمبئی میں عطریات کے مشہور تاجر مولانا بدرالدین اجمل صاحب ہیں، بہت بھلے آدمی ہیں، مجھ سے اللہ واسطہ محبت کرتے ہیں، ان کی عادت ہے کہ کہ جب حج کرنے جاتے ہیں تو علماءِ کرام میں خوب عطر تقسیم کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں حج کے زمانہ میں علماءِ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، میری عادت ہے کہ جہاں علماءِ کرام کو دیکھتا ہوں تو استفادہ کی غرض سے انہیں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں۔ اس وقت مولانا بدرالدین صاحب بھی تشریف لے آئے اور اپنی عادت کے مطابق علماء کے درمیان عطر کی شیشیاں تقسیم کرنے لگے۔ میں بھی چونکہ وہیں بیٹھا ہوا تھا اس لئے انہوں نے ایک شیشی مجھے بھی ہدیہ دی۔ چونکہ بغیر گمان کے ملی تھی اس لئے میں نے لے لی۔ پھر آئندہ حج میں بھی ایسا ہی ہوا کہ میں علماءِ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور مولانا تشریف لائے اور اپنی عادت کے مطابق عطر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ مولانا علماءِ کرام کے اعزاز میں انہیں عطر ہدیہ دیتے ہیں اس لئے مجھے غیرت آئی کہ میں عالم تو ہوں نہیں پھر ہدیہ کیسے لوں، ممکن ہے مولانا یہ سوچ کر مجھے بھی ہدیہ دیتے ہوں کہ جب تمام لوگوں میں تقسیم کروں گا اور شکیل کو نہیں دوں گا تو شاید اسے برا لگے گا اس لئے مجھے ہدیہ لیتے ہوئے بہت غیرت

محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی مولانا علماءِ کرام میں شیشیاں تقسیم ہی کر رہے تھے کہ میں نے دل ہی دل میں دعا کرنی شروع کی یا اللہ! آپ انہیں مطلقاً بھلا دیجئے، میں انہیں یاد ہی نہ آؤں کہ یہ مجھے ہدیہ دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مولانا واقعی مجھے شیشی دینا بھول گئے اور واپس چلے گئے۔ قریب بیٹھے ہوئے ایک عالم نے جب یہ دیکھا کہ مولانا مجھے شیشی دینا بھول گئے اور واپس چلے گئے تو فوراً انہوں نے اپنی شیشی مجھے دے دی اور کہا کہ یہ آپ کو ہدیہ ہے۔

رزق مقدر ہے

اس لئے میرے دوستو! میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اپنی تمامتر صلاحیت اور کوشش کا محور صرف مال کو نہ بنانا چاہئے کہ ہمہ وقت اسی فکر اور جستجو میں رہے کہ مال کیسے آئے، کہاں سے آئے، کس طرح بڑھے۔ کیونکہ میں نے ابھی بتلایا کہ مال مقدر ہو چکا ہے کسی کو اس کے مقدر سے زیادہ نہیں ملتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں آپ کو مال کمانے سے منع کر رہا ہوں کیونکہ اہل و عیال کے نفقہ کی خاطر مال کمانے کی جستجو میں لگنا یہ ایک مستقل عبادت ہے بھلا میں اسے کیسے منع کر سکتا ہوں جبکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں اس سے منع نہیں کیا۔ قرآن و حدیث میں کہیں اس کی حد نہیں بیان کی گئی کہ اتنے کروڑ یا اتنے سو کروڑ کما کر بس کر دو اس سے آگے مت کمانا بلکہ جتنا چاہو کماؤ۔ بس یہ محفوظ رکھو کہ مال کمانے میں اتنے منہمک نہ ہو کہ آخرت ہی سے غافل ہو جاؤ اور خدا کے احکام سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہر جائز و ناجائز طریقہ اپنانے لگو۔ کیونکہ مال ناجائز طریقہ اختیار کرنے سے بڑھ نہیں جاتا: بظاہر بڑھتا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں نہیں بڑھتا، بلکہ یہ اس کا مقدر تھا جو اسے ہر حال میں ملنا تھا۔ اگر یہ جائز طریقہ اختیار کرتا تب بھی اسے

اس کا مقدر ضرور ملتا۔ یہ تو اس کی کم فہمی اور نادانی تھی کہ جو مال اسے جائز طریقہ پر حاصل ہو سکتا تھا اس نے اسے ناجائز طریقہ کے ذریعہ حاصل کیا۔

دوستو! یاد رکھیں! مال فکر، جستجو، محنت اور مشقت سے نہیں بڑھتا ہے بلکہ اسے تو اللہ پاک نے مقدر کر دیا ہے۔ ہاں البتہ دین فکر اور جستجو سے بڑھتا ہے، اسے اللہ پاک نے مال کی طرح مقدر نہیں کیا بلکہ آدمی جس قدر اس کے حاصل کرنے میں محنت اور مجاہدہ کرے گا اسی قدر اسے دین حاصل ہوگا۔ اس لئے اپنی فکر اور جستجو، کوشش اور محنت کا محور دین کو بنانا چاہئے کہ یہی اصل ہے اور اسی پر اخروی کامیابی کا مدار ہے۔

حاصلِ گفتگو

میری گفتگو کا حاصل صرف یہ ہے کہ آدمی دین اور دینی تقاضوں کو مقدم رکھے۔ اپنی فکر، صلاحیت اور محنت کو دین کے حصول اور اس کی ترقی میں لگائے۔ رہا مال تو وہ ممکنہ کوشش کے بعد جس قدر حاصل ہو جائے اسی پر صابر اور شاکر رہے اور خیال کرے کہ میری روزی اتنی ہی مقدر تھی۔ اپنا نصب العین اور مقصدِ زندگی آخرت سمجھے، دین کے حصول اور اس کی ترقی کی فکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے۔ جب یہ فکر غالب ہوگی تو دین میں ترقی نصیب ہوگی جس کی بنیاد پر ان شاء اللہ آخرت میں تو کامیابی ملے گی ہی، ساتھ ہی اللہ پاک اس کی دنیا بھی اس کے لئے آسان کر دیں گے۔

بے وقوفی کی انتہا

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ ایک مرتبہ ہم لوگ گاڑی میں بیٹھے کہیں

جا رہے تھے، راستہ میں کچھ غیر مسلم پٹاخے چھوڑ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ یہ لوگ کتنے بے وقوف ہیں کہ اپنے ہی پیسوں سے پٹاخے خریدتے ہیں اور پھر ان میں آگ لگا دیتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ بھئی! یہ سیزن والے بے وقوف ہیں جو صرف سیزن ہی میں اپنے پیسوں کو آگ لگاتے ہیں، میں تمہیں آل سیزن (All season) کے بے وقوف بتلاتا ہوں جو ان سے بھی بڑے بے وقوف ہیں اور روزانہ اپنے پیسوں میں آگ لگاتے ہیں۔ میری یہ بات سن کر وہ صاحب بہت چونکے، کہنے لگے کہ آل سیزن (All season) کے بے وقوف کون ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ سیزن والے بے وقوف گرچہ اپنے پیسوں میں آگ لگاتے ہیں لیکن اتنی احتیاط ضرور کرتے ہیں کہ اپنی جان کو ہلاکت میں نہیں ڈالتے بلکہ جب بھی پٹاخہ کو چنگاری لگاتے ہیں تو خود پہلے بھاگتے ہیں تاکہ اپنی جان محفوظ رہے۔ لیکن یہ سگریٹ پینے والے جو روزانہ سگریٹ خرید کر پیتے ہیں یہ نہ صرف اپنے پیسوں کو آگ میں پھونکتے ہیں بلکہ اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔ کیونکہ سگریٹ کے پیکٹ پر صاف لکھا ہوتا ہے کہ اس کے پینے سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ تو یہ سگریٹ پینے والے پٹاخہ چھوڑنے والوں سے بھی بڑے بے وقوف ثابت ہوئے۔ کیونکہ پٹاخہ چھوڑنے والے تو اپنی جان کی حفاظت کے ساتھ اپنے پیسوں میں آگ لگاتے ہیں اور سال میں صرف چند روز لگاتے ہیں۔ جبکہ یہ سگریٹ پینے والے روزانہ سگریٹ پی کر اپنے پیسوں میں تو آگ لگاتے ہی ہیں ساتھ ہی اپنی صحت کا بھی نقصان کرتے ہیں اور دمہ، کینسر وغیرہ جیسی مہلک بیماریوں میں بھی گرفتار ہوتے ہیں۔ پھر جب اس طرح کی مہلک بیماریوں میں گھر جاتے ہیں تو اس کے علاج پر

خطیر رقم خرچ کرتے ہیں اور اس طرح صرف سگریٹ پی کر اپنے ہزاروں روپے ضائع اور برباد کرتے ہیں۔

ہمارا جسم خدا کی امانت ہے

اب اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب! علاج کرانا تو سنت اور باعثِ ثواب ہے اس میں جو رقم خرچ ہوگی وہ ضائع اور برباد کیونکر ہوگی؟ تو اس سلسلہ میں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کسی ایسی بیماری کے علاج میں پیسے خرچ کئے جائیں جسے خود اس نے نہ بلایا ہو یعنی اس بیماری کے آنے میں اس کے کسی عمل کو دخل نہ ہو تو پھر اس بیماری کی علاج میں خرچ کرنے پر ان شاء اللہ اسے ثواب ملے گا اور اگر اس بیماری میں انتقال کر گیا تو شاید شہید بھی ہوگا۔ لیکن اگر کسی ایسی بیماری کے علاج میں پیسے خرچ کئے جس کو خود اس نے بلایا ہو مثلاً سگریٹ پی کر دمہ کا مریض ہو گیا یا کینسر کا مریض ہو گیا تو اب اس کے علاج پر جو پیسے خرچ ہوں گے اس پر ثواب نہیں ملے گا بلکہ ممکن ہے اس بے احتیاطی کی بناء پر اس کی خدا کے یہاں گرفت ہو۔ کیونکہ ہمارا یہ جسم ہماری ملکیت نہیں ہے بلکہ ہمارے پاس خدا کی امانت ہے، اس کی پوری حفاظت کرنا اور اسے نقصان دہ چیزوں سے بچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ اگر ہم اس کو کسی وجہ سے ڈیمیج کریں گے تو یہ امانت میں خیانت شمار ہوگی۔ اور یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ امانت میں خیانت کرنا قابلِ مواخذہ جرم ہے۔ اس لئے اگر کوئی سگریٹ پی کر دمہ یا کینسر پال لے تو اس کے علاج میں خرچ کرنے پر اسے ثواب نہیں ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک سگریٹ پینے والوں سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہے

، میں انہیں سب سے بڑا بے وقوف سمجھتا ہوں کہ اپنے ہی پیسوں سے بیماری خریدتے ہیں پھر اس بیماری کے علاج میں ہزاروں روپے برباد کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی سگریٹ پینے والا مجھے میرے دنیوی نفع کی بات بتاتا ہے تو میں اس کے مشورہ کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ جسے خود اپنے بھلے برے کی تمیز نہ ہو وہ دوسروں کے نفع کی بات کیا بتا سکتا ہے؟ اس لئے میں کسی معاملہ میں اس کا کوئی مشورہ قبول نہیں کرتا ہوں۔

تاجر اور جھوٹ

اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمان تاجروں میں بھی جھوٹ اس قدر رواج پاچکا ہے کہ بغیر جھوٹ کے کاروبار نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ اگر منع کرو کہ جھوٹ مت بولو اس سے روزی کی برکت ختم ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ میاں! کہیں جھوٹ بولے بغیر بھی کاروبار ہوتا ہے؟ کاروبار میں تو جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے۔ ایسا کہنے والوں کو سگریٹ بنانے والی کمپنیوں سے سبق لینا چاہئے کہ وہ ہر پیکٹ پر بلکہ سگریٹ کے اشتہار کی بڑی بڑی ہورڈنگس میں چھ چھ انچ موٹے اور جلی حرفوں میں صاف لکھتی ہیں کہ ہماری اس سگریٹ کے پینے سے آپ کی صحت کو نقصان پہنچے گا۔ اس کے باوجود لوگ ان کی سگریٹ خریدتے ہیں اور ان کا کاروبار خوب چلتا ہے، کروڑوں نہیں اربوں روپے کماتے ہیں۔ تو بتائیے سچ بولنے سے ان کا کاروبار گھٹ گیا یا مزید ترقی کر گیا؟

ایک غیر مسلم کا عہد

ابھی چند روز پہلے ایک صاحب اپنے ایک غیر مسلم پارٹنر کو لے کر مجلس میں آئے

تھے، اتفاق سے اس روز جھوٹ کے نقصانات سے متعلق ہی کچھ باتیں بیان ہوئیں۔ کچھ روز کے بعد انہوں نے اپنے غیر مسلم پارٹنر سے پوچھا کہ اس دن کے بیان میں بیٹھ کر آپ کو کیسا لگا؟ اور اس سے آپ کو کیا نفع محسوس ہوا؟ کہنے لگے کہ اس دن جھوٹ کے نقصانات سن کر میں نے اسی وقت طے کرلیا تھا کہ اب زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

شرم کی بات

دیکھئے! کتنے افسوس کی بات ہے کہ سگریٹ بنانے والی کمپنیوں کے مالک غیر مسلم ہونے کے باوجود سچ بول کر کاروبار کریں اور ایک غیر مسلم بیوپاری صرف ایک مرتبہ جھوٹ کے نقصانات سن کر ہمیشہ کے لئے اسے چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلے لیکن ایک مسلمان جو نہ صرف خدا اور رسول اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے بلکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں جھوٹ کے نقصانات بھی مسلسل سنتا رہتا ہے پھر بھی وہ کہے کہ میاں! کہیں جھوٹ کے بغیر بھی کاروبار چلتا ہے؟ اس سے بڑی بے غیرتی اور شرم کی بات مسلمان کے لئے اور کیا ہوگی کہ جس چیز کو غیر مسلم برا سمجھ کر چھوڑنے کے لئے تیار ہے آج مسلمان اسے برا جانتے ہوئے بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

ایک سوال

ایک روز تیز بارش کی وجہ سے مجلس والے کمرہ کی چٹائیوں کا کچھ حصہ بھیگ چکا تھا، آپ کمرہ میں تشریف لائے اور صورت حال دیکھی تو حاضرین سے فرمایا کہ آپ حضرات اپنے ساتھیوں کا خیال رکھتے ہوئے آگے بڑھ کر اور خوب سمٹ سمٹ کر بیٹھیں تا کہ بعد میں آنے والے احباب کو گیلی جگہ پر نہ بیٹھنا پڑے۔

پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر دریافت فرمایا کہ بتاؤ ہم گیلی اور سوکھی جگہ میں سے کس جگہ بیٹھنا پسند کریں گے؟ لوگوں نے کہا سوکھی جگہ پر۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث پاک میں ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرو وہی اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرو۔ جب ہم سوکھی جگہ پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں تو ہمیں ان آنے والوں کے لئے بھی سوکھی جگہ بیٹھنا کا انتظام کرنا چاہئے تا کہ یہ حضرات اطمینان اور راحت سے بیٹھ سکیں۔ اور پھر یہ آنے والے احباب تو ہمارے محسن بھی ہیں کیونکہ مجھے تو کچھ نہیں آتا، ان آنے والے طالبین کی طلب ہی کی بناء پر سارے مضامین آتے ہیں لہٰذا یہ ہمارے محسن ہیں۔ جب عام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے تو محسنین کے ساتھ تو اس کا مزید اہتمام کرنا چاہئے۔ لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے ان محسنین کا اکرام اور ان کے لئے راحت کا انتظام کریں۔

عجیب مثال

ارشاد فرمایا: کہ جب ہم کسی کے موبائیل پر فون لگاتے ہیں تو بعض مرتبہ وہ موبائیل رینج کے باہر ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس میں سے آواز آتی ہے کہ یہ موبائیل آؤٹ آف رینج ہے۔ اسی طرح جب ہمارا دل غفلت میں ہوتا ہے تو وہ آؤٹ آف رینج ہوتا ہے، رینج کے باہر ہوتا ہے اور ہمیں بار بار آگاہ کرتا رہتا ہے کہ دیکھ! تیرا دل غفلت میں ہے، آؤٹ آف رینج ہے، اللہ کی یاد سے باہر ہے اسے اللہ کی یاد کی رینج میں لا۔ یہ موبائیل ہمیں نصیحت کرتا ہے کہ آپ جس شخص سے بات کرنا چاہتے ہیں اس کا موبائیل جب رینج میں ہوگا اسی وقت آپ کا اس سے رابطہ ہو سکے گا اور جب رینج میں نہیں ہوگا تو آپ لاکھ

کوشش کریں اس شخص سے آپ کا رابطہ نہیں ہوسکتا۔ٹھیک اسی طرح ہمارا دل بھی ہمیں نصیحت کرتا ہے کہ دیکھ! تو اللہ کی یاد کے پہنچ کے باہر ہے،جب تو اس کی یادکی پہنچ سے باہر ہے تو بھلا بتا تیرا اس سے رابطہ کیونکر ہوسکتا ہے؟"جب تو اپنے مالک کی یاد کے پہنچ میں آئے گا اسی وقت تیرا اس سے رابطہ اور تعلق ہوسکے گا۔لیکن افسوس کہ ہم موبائیل کی آواز کو توخوب سمجھتے ہیں لیکن اپنے دل کی آواز کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے۔

سیکھ کر کام کریں

ارشاد فرمایا: کہ جب ہم بازار سے نیا موبائیل لاتے ہیں تو پہلے اسے آپریٹ کرنا سیکھتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا تو کسی جاننے والے سے اس کے آپریٹ کرنے کا طریقہ معلوم کرتے ہیں۔دوستو! کیا بیوی کو گھر میں لانے سے پہلے بھی ہم نے سیکھا یا کسی اللہ والے سے پوچھا تھا کہ اس کو لانے کے بعد ہمیں اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے اور کس طرح پیش آنا چاہئے؟ اگر بیوی گھر میں آنے کے بعد ہماری والدہ کی۔ نے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے،نہ مانے تو کیا کرنا چاہئے،ان کی خدمت کرے تو کیا کرنا چاہئے، ان سے جھگڑے تو کیا کرنا چاہئے،ابا کی خدمت کرے تو کیا کرنا چاہئے،نہ کرے تو کیا کرنا چاہئے،نماز پڑھے تو کیا کرنا چاہئے،نہ پڑھے تو کیا کرنا چاہئے،اپنے گھر جانے کے لئے کہے تو کیا کرنا چاہئے،وہاں سے آنے کے لئے کہے تو کیا کرنا چاہئے،بچہ کی صحیح تربیت کرے تو کیا کرنا چاہئے،نہ کرے تو کیا کرنا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔لیکن بیوی کو گھر لانے سے پہلے یہ ساری باتیں کہاں سیکھی گئیں اور نہ کسی اللہ والے سے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔بس صرف اور صرف ایک جذبہ کے تحت بیوی گھر لائی جاتی ہے اور وہ ہے نفسانی اور شہواتی خواہشات کی

تکمیل کا جذبہ الاماشاءاللہ،اللہ معاف فرمائے۔آپ خود سوچئے کہ جب بیوی اس جذبہ کے تحت لائی جائے گی تو پھر یہ جذبہ انسان کو کہاں تک پہنچائے گا؟ اللہ پاک ہم سب کو علماء اور مشائخ سے پوچھ کر اور صحیح جذبات کے ساتھ بیوی کو گھر لانے اور اس کے شرعی واخلاقی حقوق کی رعایت کرتے ہوئے اس کے ساتھ زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

ہر گھر کا مفتی

ایک روز مجلس میں حضرت تھانویؒ کی مشہور ومعروف کتاب "بہشتی زیور" آپ کے سامنے رکھی ہوئی تھی،اس کے متعلق ارشاد فرمایا: کہ یہ حضرت تھانویؒ کی مشہور کتاب بہشتی زیور ہے جو نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے،عوام تو عوام علماء اور مفتیانِ کرام نے بھی اس کتاب کی افادیت اور نافعیت کا اعتراف کیا ہے اور ہمیشہ اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔پھر درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ یہ ایسی معتبر اور مستند کتاب ہے کہ اس کے متعلق ہمارے حضرت حکیم صاحب (کھیڑ افغان والے) دامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں کہ جس گھر میں یہ کتاب موجود ہو سمجھ لو اس گھر میں ایک مفتی موجود ہے۔اس لئے یہ کتاب تو ہر مسلمان کے گھر میں ہونی چاہئے اور اسے روزانہ اس کا مطالعہ بھی کرنا چاہئے۔یہاں بیٹھے بہت سے افراد کے گھروں میں یہ کتاب ہوگی لیکن اگر ابھی پوچھا جائے کہ اسے پڑھے ہوئے کتنا عرصہ ہوگیا ہے؟ تو شاید اکثر افراد سوچ میں پڑجائیں گے۔

میرے دوستو! یہ بہت اہم کتاب ہے،جن کے گھروں میں نہیں ہے وہ فوراً اسے اپنے گھروں میں لائیں اور اسے پڑھنا شروع کریں۔اور جن کے گھروں میں موجود ہے وہ اپنی ترتیب بنا کر روزانہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا پڑھنے کا معمول بنائیں۔بہتر تو یہ ہے کہ کسی عالم

کے پاس بیٹھ کر پوری کتاب حرفاً حرفاً پڑھ لیں لیکن اگر اس کا موقع نہیں ہے تو پھر اپنے طور پر تھوڑا تھوڑا پڑھتے رہیں جہاں نہ سمجھ میں آئے وہاں نشان لگا کر کسی عالم سے پوچھ لیں۔

اس کتاب میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے "اُن باتوں کا بیان کہ ان کے بدون ایمان ادھورا رہتا ہے" یعنی ان باتوں کو جانے بغیر اور ان پر عمل کئے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ یہ باتیں کس قدر اہم ہوں گی کہ ان پر عمل کئے بغیر ایمان ہی ناقص اور ادھورا رہ جاتا ہے۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہمیں ان باتوں کے جاننے اور پڑھنے کی بھی فرصت نہیں ہے۔ اگر ہمارے نزدیک ایمان قیمتی چیز ہے اور یقیناً قیمتی ہے تو پھر جن باتوں سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے انہیں جاننے اور پڑھنے کی فکر ضرور کرنا چاہئے۔ ان باتوں کی طرف سے غفلت اور بے توجہی یہ بتلاتی ہے کہ ہمارے نزدیک ایمان کی کس قدر اہمیت ہے۔

ادھوری چیز کون پسند کرتا ہے؟

میرے دوستو! ہم دنیوی معاملہ میں کسی ان کمپلیٹ چیز کو پسند نہیں کرتے، دیکھئے! کوئی ان کمپلیٹ فارم قبول نہیں کیا جاتا۔ بچوں کی اسکول کا داخلہ فارم ان کمپلیٹ ہو تو قبول نہیں کیا جاتا، نکاح کا فارم ان کمپلیٹ ہو تو قبول نہیں کیا جاتا حتیٰ کہ ہم تو اپنی منکوحہ کو بھی پاکی کے ایام میں رخصت کر کے گھر لانا پسند کرتے ہیں، ایام حیض میں اس کی رخصتی کو پسند نہیں کرتے کہ اس حالت میں وہ ان کمپلیٹ ہے۔

دوستو! ٹھیک اسی طرح ان باتوں کو جانے بغیر اب تک ہمارا ایمان ان کمپلیٹ ہے۔ جب ہم کسی ان کمپلیٹ چیز کو قبول کرنا پسند نہیں کرتے تو پھر اس ان کمپلیٹ ایمان کو اللہ پاک

کیسے قبول فرمائیں گے؟ کیا اللہ پاک معاذ اللہ ہمارے محتاج ہیں یا انہیں ہمارے ایمان کی ضرورت ہے کہ ہم ایمان جیسا تیسا بھی لے کر جائیں گے اللہ پاک اسے قبول کر لیں گے لیکن افسوس کہ ہم اس جانب کبھی توجہ نہیں کرتے۔

مال کیسے ملتا ہے؟

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ مال کمانے والو! اپنی صلاحیتوں پر ناز نہ کرو۔ یہ مال اپنی صلاحیتوں کے بل پر نہیں ملتا، یہ صرف اور صرف اللہ رب العزت کی مہربانی سے ملتا ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں بلا کسی صلاحیت کے بے حساب عطا فرماتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اپنے حکم سے آنِ واحد میں چھین لیتے ہیں۔

دیکھئے! گجرات کے موجودہ سیلاب نے رسوں کے۔ لکھوں کو بھی ایک ایک کپڑے کا محتاج بنادیا، بدن کا کپڑا بدن پر پڑے پڑے ہی سوکھ رہا ہے، تن ڈھانکنے کے لئے دوسرا کپڑا تک میسر نہیں ہے۔ ابھی کل میرے پاس فون آیا کہ اگر کچھ کپڑوں کا انتظام کر کے بھیج سکو تو ضرور بھیجو۔ لہٰذا اگر کسی کو اللہ پاک مال عطا فرماویں تو وہ اسے اپنی صلاحیتوں کا نتیجہ نہ سمجھے کہ مجھے یہ مال میری صلاحیت اور میری ڈگری کے بل پر حاصل ہوا ہے بلکہ اسے محض عطائے خداوندی اور انعام خداوندی سمجھتے ہوئے اس کی قدردانی کرے اور خدا کا شکر بجالائے اور بندوں کے جو حقوق اللہ پاک نے اس مال میں رکھے ہیں انہیں پورے طور پر ادا کرنے کی فکر کرے۔ جب تک یہ طرز عمل رہے گا انشاء اللہ اللہ پاک اس نعمت کو بڑھاتے رہیں گے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کے ذریعہ اللہ پاک نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور جہاں کہیں اس نعمت کو اپنی صلاحیت اور محنت کا نتیجہ سمجھا اور اس کا غلط استعمال کیا تو لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي

لَتُشَدِّدَنَّ کی وعید کو پیشِ نظر رکھیں کہ ایک ہی سیلاب بڑی بڑی کوٹھی والوں کو سڑک پر لا کھڑا کر دیتا ہے۔ اللہ پاک کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے، گجرات کا حالیہ سیلاب اس کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

ایک عجیب واقعہ

ارشاد فرمایا: کہ میرے شیخِ اول حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دعا کراتا ہے اور ایک دعا لیتا ہے۔ جب کسی مومن کی دل سے خدمت کی جائے گی یا کسی غریب کی ضرورت پوری کی جائے گی تو اس کے دل سے دعا نکلے گی اور یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔

اس پر حضرت بھیکؒ کا واقعہ نقل فرمایا کہ یہ اپنے شیخ کے خادمِ خاص تھے، سفر و حضر میں انہیں کے ساتھ رہتے۔ ایک مرتبہ ان کے شیخ کسی رئیس کے یہاں مہمان ہوئے، یہ بھی اپنے شیخ کے ساتھ تھے لیکن انہیں پتہ تھا کہ حضرت کے گھر میں فاقہ چل رہا ہے۔ انہیں میزبان کے متعلق یقین تھا کہ اگر اسے حضرت کے گھر والوں کے احوال بتا دئے جائیں تو وہ ان کے لئے بھی کھانے کا نظم کر دے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس رئیس سے کہا کہ آپ نے حضرت کی دعوت تو کر دی ہے ہمیں یہاں اچھا کھانا مل جائے گا لیکن مجھے معلوم ہے کہ حضرت کے گھر میں فاقہ چل رہا ہے۔ اگر آپ گھر والوں کے لئے بھی کھانے کا انتظام کر دیں تو ان تک کھانا پہنچانے کی ذمہ داری میری رہے گی، میں حضرت کو اس کی خبر نہ ہونے دوں گا۔ میزبان نے منظور کر لیا کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے میں کھانا کچھ بڑھا کر بنوا دوں گا تم حضرت کے گھر والوں کے لئے بھی کھانا لے جانا۔ اب حضرت بھیکؒ دن بھر تو اپنے شیخ کے ساتھ رہتے، رات میں ان کی خدمت کرتے

، پیر دابتے، سر میں تیل رکھتے اور جب حضرت سو جاتے تو یہ گھر والوں کا کھانا لے کر پیدل چل دیتے۔ حضرت کا گھر اتنی مسافت پر تھا کہ جب یہ پیدل چل کر وہاں کھانا پہنچا کر واپس آتے تو حضرت کے بیدار ہونے کا وقت ہو جاتا تھا آکر اپنے حضرت کو جگاتے روز کا یہی معمول تھا۔ حضرت کو بھی رہ رہ کے اپنے گھر والوں کا خیال آتا کہ میں تو یہاں اچھا کھانا کھا رہا ہوں اور گھر والے فاقہ جھیل رہے ہیں لیکن کر بھی کیا سکتے تھے۔ جب گھر واپس تشریف لائے تو گھر والوں سے کہا کہ مجھے کھانا کھاتے ہوئے تم لوگوں کی بہت ہی یاد آتی تھی کہ میں تو یہاں آرام سے خوب اچھا اچھا کھانا کھا رہا ہوں اور گھر والے فاقہ جھیل رہے ہیں۔ گھر والوں نے کہا کہ ہم تو فاقہ سے نہیں تھے، ہم نے بھی آپ کے غائبانہ میں خوب خوب اچھا اچھا کھانا کھایا۔ پوچھا کیسے؟ کہنے لگے کہ یہ بھیک بھائی ہمیں روز کھانا پہنچا کر جایا کرتے تھے۔ جب حضرت نے یہ سنا تو اپنے خادم بھیکؒ سے دریافت فرمایا۔ تب حضرت بھیکؒ کو مجبوراً سارا واقعہ نقل کرنا پڑا۔ فوراً حضرت نے انہیں اپنے سینہ سے لگایا اور ساری باطنی دولت منتقل فرما دی۔

دیکھئے! حضرت بھیکؒ نے اپنے شیخ سے یہ دولت مانگی نہیں تھی اور نہ ہی انہوں نے اپنے شیخ سے دعا کی درخواست کی تھی بلکہ خدمت سے اپنے شیخ کا جی ایسا خوش کر دیا کہ شیخ کے دل سے دعا نکلی اور انہوں نے وہیں اپنے سینہ سے لگا کر ساری باطنی دولت منتقل فرما دی۔

گھر والی کے ساتھ کیسے رہیں؟

ارشاد فرمایا: کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنے گھر میں ایسا عاشق مزاج بن کر رہے کہ بیوی یہ سمجھنے لگے کہ میرا شوہر میرے بغیر ایک سیکنڈ نہیں رہ سکتا۔ پھر اپنی گھریلو زندگی سے متعلق فرمایا کہ جب کبھی میری اہلیہ کسی بات پر ناراض ہو کر غصہ کرتی ہیں تو میں انہیں مسلسل تک تکی

باندھے دیکھتا رہتا ہوں۔ مجھے اس طرح دیکھتے ہوئے وہ کہتی ہیں کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ میں کہتا ہوں کہ دیکھ رہا ہوں کہ تم غصہ میں کس قدر حسین ہو جاتی ہو۔ اسی طرح کبھی کسی انداز سے اور کبھی کسی انداز سے بات کا رخ موڑ کر ان کے غصہ کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اب بتاؤ کہ کیا اس طرح کے جملے سننے کے بعد بھی ان کا غصہ باقی رہے گا؟ لیکن ہمیں اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنا نہیں آتا۔ بھئی! وہ بھی انسان ہے، اسے بھی غصہ آ سکتا ہے۔ جب کبھی اسے کسی بات پر غصہ آ جائے تو اس طرح کوئی پیار کی بات کہہ کر بات کا رخ موڑ دینا چاہئے تاکہ بات آگے نہ بڑھنے پائے۔ لیکن اس طرح کرنے کے بجائے جواباً اپنی حاکمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم بھی غصہ کر بیٹھتے ہیں اور پھر بات جھگڑے اور مار پیٹ تک پہنچ جاتی ہے۔

ایک حال اور اس کا علاج

ایک نوجوان عالم نے آپ سے اپنا حال بیان کیا کہ حضرت! اب میں اپنے قلب میں پہلی سی رقت نہیں پاتا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید میرا قلب سخت ہو گیا ہے۔ فرمایا کچھ حرج کی بات نہیں، یہ تو احوال ہیں اور احوال بدلتے رہتے ہیں۔ بزرگوں کے احوال میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ پہلے بہت رویا کرتے تھے لیکن جب گناہوں پر ندامت کے آنسو بہتے رہے، توبہ ہوتی رہی، گناہ معاف ہوتے رہے تو پھر دھیرے دھیرے ان کا رونا بھی کم ہوتا چلا گیا۔ بلکہ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ "ہر دم رو یا مت کرو، آدھی زندگی تو گناہوں میں گزار دی اب آدھی زندگی رونے میں گزار دو گے تو بھلا کام کب کرو گے؟ کام میں لگو کام میں۔ ہاں البتہ جب کبھی کوئی گناہ یاد آ جائے تو خوب جی بھر کر رو لو اور پھر کام میں لگ جاؤ"۔

اتباعِ سنت کا فائدہ

ارشاد فرمایا: کہ جو شخص جتنا زیادہ متبعِ سنت ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ موقع شناس بھی ہوگا، وقت کی ضرورت اور موقع کی بات کو سمجھے گا کہ اس وقت کون سی بات میرے کام کی ہے اور اس وقت کون سا کام میرے نفع کا ہے۔ متبعِ سنت آدمی غافل نہیں ہوتا، اس لئے کہ جب وہ ہر موقع پر اپنے آقا کو یاد رکھتا اور ان کی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے تو پھر اس کی زندگی میں غفلت کہاں ہوگی! سنتوں کا اہتمام آدمی کی زندگی سے غفلت کو دور کرتا ہے، موقع شناسی اور وقت کی ضرورت کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

ہر وقت کی حضوری ممکن ہے

ارشاد فرمایا: کہ اس راہ میں احسان والی کیفیت کا پیدا ہو جانا اصل مطلوب ہے کہ ہر دم اللہ رب العزت کی یاد دل میں اس طرح بسی ہو کہ آدمی کسی وقت ان سے غافل نہ رہے۔ اب آپ کہیں گے کہ بھئی! آدمی کی اور بھی ضروریات ہیں، کام کاج ہیں، مشغلہ ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ آدمی اپنے کام کاج اور ضرورت میں بھی مشغول ہو اور دل اللہ رب العزت کی یاد سے غافل بھی نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ آدمی اپنی ضروریات میں بھی مشغول ہو اور اس کا دل اللہ کی یاد سے بھی آباد رہے۔ اور اکثر اس کی یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ دیکھیں! اگر آپ کا کوئی عزیز مثلاً بیٹا، بھائی، ابا وغیرہ کسی جگہ گئے ہوئے تھے اور اچانک خبر آئی کہ وہ جس علاقہ میں گئے ہوئے ہیں وہاں فساد ہو گیا ہے، آپ کے پاس اپنے عزیز کی خیریت کی کوئی اطلاع ہے اور نہ ہی اس کا کوئی فون آیا ہے۔ اب بتایئے کہ اس صورتِ حال میں آپ کا دل بے چین ہوگا

یانہیں؟ پتہ نہیں بیٹا کس حال میں ہے اس کا کوئی فون بھی نہیں آیا۔ ہر وقت طرح طرح کے خیالات ذہن میں گردش کرتے رہیں گے، ہر وقت بس یہی فکر لگی رہے کہ اس کا کوئی فون آجاتا، کہیں سے اس کی خیریت کی کوئی اطلاع مل جاتی۔ کپڑا پہن رہے ہیں تو اسی کا خیال ہے، ہاتھ منہ دھو رہے ہیں تو اسی کا خیال ہے، ضرورت سے فارغ ہو رہے ہیں تو اسی کا خیال ہے۔ اب دیکھئے کہ کسی نہ کسی عمل میں مشغول ہونے کے باوجود آپ کا ذہن بیٹے کی طرف متوجہ ہے، اس کی یاد اور اس کی خیریت کی فکر آپ کے دل ودماغ پر سوار ہے کہ کہیں سے اس کی خیریت کی خبر مل جاتی تو دل کو سکون ہو جاتا۔ پس جس طرح آپ اپنے کام کاج میں مشغول ہونے کے باوجود بیٹے سے غافل نہیں ہیں بعینہٖ اسی طرح اللہ والوں کا حال ہوتا ہے کہ ان کو دنیوی مشاغل اللہ پاک کی یاد سے غافل نہیں کرتے، اپنی ضروریات میں مشغول ہونے کے باوجود ان کے دل کے تار اللہ رب العزت سے جڑے رہتے ہیں اور دل میں ہمہ وقت انہیں کی یاد بسی رہتی ہے۔

تربیت مار پیٹ کا نام نہیں

ارشاد فرمایا: کہ آج کل بعضے باپ اپنے بچوں کی تربیت میں حدودِ شرع کی رعایت نہیں کرتے، بچوں کی تربیت کی فکر میں ان پر ضرورت سے زیادہ سختی برتتے ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر انہیں مارتے پیٹتے ہیں۔ یاد رکھیں! تربیت مار پیٹ کا نام نہیں ہے اور نہ اس سے بچوں کی تربیت ہوتی ہے بلکہ اس بے جا مار پیٹ سے بعض مرتبہ بچے اپنے باپ سے اس قدر خوفزدہ اور سہمے رہتے ہیں کہ ان سے کھل مل نہیں پاتے اور نہ ان سے کھل کر اپنی کوئی

بات کہہ پاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ بچے دھیرے دھیرے اپنے باپ سے دور ہونے لگتے ہیں اور ان سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ تربیت کی خاطر یہ بے تکی اور ضرورت سے زیادہ مار پیٹ کا طریقہ کسی طرح مناسب نہیں ہے اور خصوصاً آج کے ماحول میں تو ہرگز ہرگز مناسب نہیں ہے، اسی میں باپ کی عزت بھی ہے اور اس کی عافیت بھی۔

تربیت کا بہترین طریقہ

تربیت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے بچوں کا مزاج سمجھا جائے جو کہ انہیں وقت دیئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد جو عادات واوصاف ان میں پیدا کرنے ہوں ان کے فضائل ومحاسن کتابی تعلیم کے ذریعہ یا اسلامی تاریخی واقعات کے ذریعہ بار بار کہے سنائے جائیں اور ان عادات واوصاف کے حامل شخص کا معاشرہ میں کیا مقام ہوتا ہے اور ان اوصاف سے متصف ہونے پر جو دنیوی یا اخروی ثمرات مرتب ہوتے ہیں ان کا تذکرہ اس قدر تواتر کے ساتھ ان کے سامنے کیا جائے کہ یہ باتیں اچھی طرح ان کے ذہن نشین ہو جائیں۔ اسی طرح جن رذائل اور بری خصلتوں سے بچانا مقصود ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ ان اعمال وعادات کی شناعت وقتاً فوقتاً کتاب کے ذریعہ سنائی جائے یا واقعات کے ذریعہ بتائی جائے، ساتھ ہی ساتھ ان کے دنیوی واخروی نقصانات بھی بتائے جائیں۔ یہ سارا عمل اس قدر پیار ومحبت اور دلجوئی کے ساتھ ہو کہ بچے انہیں روک ٹوک سمجھنے کے بجائے ذوق وشوق ودلچسپی کے ساتھ سنیں۔ ہر وقت ان کے اندر ان باتوں پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کی مختلف تدابیر کرتے رہیں: ان کے اوقات کی نیز یہ کہ وہ کن بچوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں اس کی مکمل نگرانی کریں۔ اچھی مجالس اور اچھی صحبت کی فراہمی کی نیز بری مجالس اور بری صحبت سے بچانے کی ہر ممکن کوشش

کریں۔ انہیں بچپن ہی سے اللہ والوں کی صحبت میں کثرت سے لے جایا کریں کہ اس کے اچھے اثرات اسی عمر سے ان پر پڑنے شروع ہوجاتے ہیں جو ان کی ذہن سازی اور شخصیت سازی میں بہت معین ہوتے ہیں۔ اور اگر کبھی کسی نامناسب حرکت یا عمل کا مرتکب پاویں تو بروقت ٹوکنے کے بجائے کسی مناسب موقع پر اس حرکت یا عمل کی قباحت ان کے سامنے بیان کریں اور مناسب انداز پر انہیں تنبیہ بھی کردیں، ضرورت سمجھیں تو ایک آدھ چپت بھی لگادیں تاکہ اس تنبیہ کا خیال رہے تاہم زیادہ مار پیٹ سے گریز کریں۔

الغرض تنبیہ کے واسطے آنکھوں کا ڈر رکھنا چاہئے؛ روز روز کی مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ مناسب نہیں کہ اس سے بچے خودسر ہوجاتے ہیں۔ پھر ان کے نزدیک مار پیٹ کی بھی اہمیت نہیں رہ جاتی اور وہ اس سے بے خوف ہوجاتے ہیں۔ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ دھیرے دھیرے بچوں کا دینی مزاج بنانے کی فکر اور تدبیر کرتے رہیں کہ یہی دینی مزاج ان کی تربیت اور شخصیت سازی میں بہت اہم اور کلیدی رول رکھتا ہے۔جب ان کا دینی مزاج بن جائے گا تو وہ از خود اچھے اوصاف سے متصف ہونے اور بری عادتوں اور خصلتوں سے بچنے کی کوشش کریں گے۔دوستو! آج کے بدلتے حالات میں بچوں کی تربیت سے متعلق یہ گذارشات بہت اہم ہیں، ان پر بہت اہتمام سے عمل کرنا چاہئے۔

لوگوں کی حماقت

اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: کہ بعض لوگ یہ حماقت کرتے ہیں کہ بچوں کے سامنے ان کی ماں پر ظلم کرتے ہیں۔ بچے بچپن ہی سے اپنی ماں کو ابا کے مظالم جھیلتا ہوا دیکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ بچے ہوتے ہیں، بے بس ہوتے ہیں، ان میں باپ کو روکنے کی ہمت

نہیں ہوتی اس لئے اس وقت وہ خاموش نگاہوں سے اپنی ماں پر مظالم ہوتے دیکھتے رہتے ہیں اور اندر ہی اندر ان کے دل میں باپ کے خلاف انتقام کا لاوا پکتا رہتا ہے۔ پھر جب یہ بچے جوان ہوتے ہیں تو اس وقت باپ بوڑھا ہو چکا ہوتا ہے۔اس وقت اگر یہ شخص اپنی بیوی سے تیز بات بھی کرتا ہے تو یہ سارے بچے اپنی ماں کے ساتھ ہوجاتے ہیں اور باپ سے کہتے ہیں کہ ابا! اب بہت ہوچکا، اب خاموش پڑے رہو، ساری زندگی ہم نے اپنی ماں پر آپ کی زیادتیوں کو دیکھا ہے، اب ہم آپ کی کوئی زیادتی برداشت نہیں کرسکتے۔ ماں بھی اپنے بچوں کو اپنا حمایتی دیکھ کر اور ان سے حوصلہ پاکر شوہر کے خلاف ہوجاتی ہے کہ تمہارا ظلم بہت سہہ چکی اب نہیں سہنے والی، اس گھر میں رہنا ہو تو خاموشی کے ساتھ پڑے رہو ورنہ اپنا راستہ لو۔اور بعضے بچے تو مقابلہ پر اتر آتے ہیں، ابھی عنقریب مجھے معلوم ہوا کہ ایک نوجوان نے اپنے باپ کے طمانچہ مارا۔اس طرح کے واقعات کسی فوری واقعہ کا ردِ عمل نہیں ہوتے بلکہ اس طرح کے ردِ عمل کا بیج بہت پہلے بویا جاتا ہے۔

یہ بات بہت غور سے سنیں کہ اگر کبھی اپنی اہلیہ کی کسی غلطی پر انہیں تنبیہ کرنا یا ڈانٹنا بھی ہو تو تنہائی میں تنبیہ کرنا چاہئے بچوں کے سامنے تنبیہ نہ کرنا چاہئے، اس سے ان کے اخلاق اور تربیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے ابا ہر وقت ہماری امی پر غصہ ہوتے ہیں، انہیں ڈانٹتے اور مارتے ہیں تو اگر لڑکا ہوتا ہے تو یہ سب دیکھ کر اس کا یہی مزاج بنتا ہے کہ بیوی کے ساتھ اس طرح رہا جاتا ہے، اسے اس طرح دبا کر رکھا جاتا ہے۔لہذا شادی کے بعد وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ یہی رویہ اپناتا ہے، بے جا غصہ کرتا ہے، ماتا پیٹتا ہے۔ کیونکہ اس نے بچپن میں اپنے ابا کو اپنی امی کے ساتھ یہی سلوک کرتے دیکھا ہے۔ اور اگر بیوی بھی پلٹ

کر جواب دیتی ہے، غصہ کرتی ہے تو لڑکی یہ سب دیکھتی ہے اور اس کا بھی مزاج بنتا ہے کہ شوہر کو اس طرح پلٹ کر جواب دیا جاتا ہے۔ پھر وہ بھی شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ بدزبانی اور بدکلامی کرتی ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے شوہر کے مزید مظالم کے شکار بنتی ہے اور کبھی کبھی اس بدزبانی کے نتیجہ میں بات طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ گویا بچوں کے سامنے اپنی بیوی کو ڈانٹ کر یا اس پر غصہ کر کے ہم آج ہی اپنے بچوں کے گھر کی بربادی کا سامان کر رہے ہیں۔ یہ نہایت اہم باتیں ہیں جن پر بہت سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔

میں بیان کب کرتا ہوں؟

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ میں کوئی مقرر نہیں اور نہ مجھے بیان کا شوق ہے، میں خود کہتا ہوں کہ مجھے بیان کرنا نہیں آتا، بڑوں کی جانب سے جو ذمہ داری سونپی گئی ہے تعمیلِ حکم میں اسے بس کسی طرح پورا کر رہا ہوں، اللہ پاک مجھے اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں اور قبول بھی فرمائیں۔ پھر فرمایا کہ دوستو! میں بیان اسی وقت کرتا ہوں جب دل میں بیان کا شدید تقاضہ پیدا ہوتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اللہ پاک مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ تو دین کی بات لوگوں سے کہتا کیوں نہیں؟ پھر اس تقاضہ پر بیان کرتا ہوں۔ خود قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے جس کا مفہوم ہے کہ نصیحت کی بات کہو یہ کہنا سننا مومنین کو نفع پہنچائے گا۔ اس لئے جب دل میں تقاضہ پیدا ہوتا ہے اسی وقت بیان کرتا ہوں۔ پھر دعا بھی مانگتا ہوں کہ یا اللہ! بیان کرنے میں خیر ہو تو بیان کرائیے ورنہ کرنے میں خیر ہو تو نہ کرائیے جس میں خیر ہو دل میں ڈال دیجئے، پھر اگر بیان کرنے میں خیر ہو تو جو بیان کرنا آپ کو پسند ہو وہی بیان کرائیے، یہ سب دعا مانگ کر پھر بیان کرتا ہوں۔

دعا کی ترغیب

ایک مرتبہ یہ عاجز رات میں تقریباً گیارہ بجے کسی کام سے حاضرِ خدمت ہوا تو آپ اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے ''زادِ مومن'' نامی کتاب سے دعائیہ اشعار پڑھ رہے تھے، یہ عاجز بھی قریب بیٹھ کر اشعار سننے لگا۔ کچھ دیر پڑھنے کے بعد آپ نے اس عاجز سے فرمایا: کہ یہ سب بھی پڑھا کرو، یہ سب اللہ والوں کے کلام ہیں جن سے ایک کیف ہوتا ہے۔ اگر روز موقع نہ ہو تو کم از کم چھٹی کے دن ہی انہیں پڑھ لیا کرو، اس لئے کہ چھٹی کے دن کوئی خاص کام نہیں ہوتا فرصت رہتی ہے، اطمینان سے مصلّی پر بیٹھ کر خوب لمبی لمبی دعائیں مانگا کرو۔ میں صحت کے زمانہ میں ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو گھنٹے مصلّی پر بیٹھ کر دعا مانگا کرتا تھا، آدھے گھنٹے سے کم کی دعا تو شاید ہی کبھی ہوتی تھی اور جس دن ہوتی تو میں سمجھتا کہ آج تو میں نے اللہ پاک سے کچھ مانگا ہی نہیں۔ لہٰذا اگر کام کے دنوں میں موقع نہیں ملتا تو چھٹی کے دن تو فرصت رہتی ہے، اس دن خوب دعا مانگنے کا اہتمام کیا کرو۔

عمل میں نیت کی اہمیت

ایک مرتبہ مجلس میں بیان سے قبل ایک صاحب آپ کے لئے زمزم سے بھرا گیلن لے کر آئے، آپ زمزم دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان سے فرمایا کہ میں تو زمزم کا اتنا حریص ہوں کہ اگر مجھے اس کا ایک کنواں مل جائے تو دوسرے کنویں کی فکر میں رہوں۔ الحمدللہ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے مختلف نیتوں کے ساتھ زمزم پیتا ہوں، پھر اس کی برکت سے دن بھر مختلف اعمال کرنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے۔ زمزم کے متعلق کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ زمزم جس مقصد سے پیا جائے اللہ پاک وہ مقصد پورا فرماتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم روزانہ مختلف اعمال انجام دیتے ہیں جن میں ہماری کوئی نیت نہیں ہوتی،

حالانکہ ہر عمل میں ہمیں مختلف نیتیں کرنا چاہئے تاکہ ہر نیت پر مستقل اجر وثواب حاصل ہو۔
چنانچہ ایک مرتبہ میرے پاس ایک عالم اور ایک داعی آئے، دونوں حج کے لئے ساتھ جانے
کا ارادہ رکھتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہاں آپ لوگوں کے کھانے کی کیا ترتیب
ہوگی؟ کہنے لگے کھانا ہوٹل میں کھائیں گے اور جماعت ہی کی ترتیب پر سو سو ریال جمع کرلیں
گے، پھر ختم ہوگا تو دوبارہ جمع کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ تمہیں اس سے اچھی ایک
ترتیب بتلاؤں جو آسان بھی ہے اور اس سے زیادہ نافع بھی؟ کہنے لگے ضرور بتائیے۔ میں نے
کہا کہ جب تمہیں کھانا ہوٹل ہی میں کھانا ہے تو پھر کیوں نہ ایسا کرلو کہ ایک دن یہ تمہاری دعوت
کردیں اور دوسرے دن تم ان کی دعوت کردو، اس طرح چالیس دن کے سفرِ حج میں تم میں سے
ہر ایک کو بیس روز مہمان کو کھلانے کا ثواب مل جائے گا، اور پھر وہاں کی نیکی کا ثواب ملے
گا جہاں کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ اور پچاس ہزار کے برابر ہے۔ اس طرح بیس روز میں
تین وقت کا کھانا جوڑ لیں تو ساٹھ وقت کا کھانا ہوگا، اس ترتیب کے مطابق ہر ایک کو حرمِ مدنی
کے حساب سے تیس لاکھ وقت کا اور حرمِ مکی کے حساب سے ساٹھ لاکھ وقت کا کھانا مہمان
کو کھلانے کا ثواب مل جائے گا۔ یہ سن کر وہ دونوں بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو ہم سوچ
بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح اتنے وقت مہمان کو کھلانے کا ثواب مل سکتا ہے۔ پھر کہنے لگے
کہ شکیل بھائی! آپ تو ہر چیز میں ملٹی پلائی کرتے رہتے ہیں اور ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ کس
طرح نیکیاں جمع ہوجائیں۔ میں نے کہا بھائیو! نیکیوں کی اہمیت کو سمجھو کل قیامت کے دن اس
کی قیمت معلوم پڑے گی کہ صرف ایک نیکی کے گھٹ جانے پر جہنم کا فیصلہ ہوجائے گا۔ صحابہ
کرام کے یہی جذبات تھے کہ وہ نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش

کرتے تھے۔ عورتیں پوچھتی تھیں کہ ہم کیسے آگے بڑھیں، مرد پوچھتے تھے کہ ہم کیسے آگے
بڑھیں، غریب پوچھتے تھے کہ ہم کیسے آگے بڑھیں، امیر پوچھتے تھے کہ ہم کیسے آگے
بڑھیں، بچے پوچھتے تھے کہ ہم کیسے آگے بڑھیں، بوڑھے پوچھتے تھے کہ ہم کیسے آگے
بڑھیں۔ وہ حضرات نیکیوں کی قیمت کو سمجھتے تھے اس لئے ہر وقت انہیں حاصل کرنے کی فکر اور
تدبیر کرتے تھے اور اس کے متعلق حضور اکرم ﷺ سے پوچھتے رہتے تھے۔ ہم اس لئے
انہیں حاصل کرنے کی فکر اور تدبیر نہیں کرتے کہ ہم ان نیکیوں کی اہمیت اور قدر و قیمت سے
ناواقف ہیں۔ جس دن ہمیں ان نیکیوں کی اہمیت اور قیمت سمجھ میں آجائے گی اس دن ہم بھی ان
کے حاصل کرنے کی فکر اور جستجو میں لگ جائیں گے اور دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش
کریں گے۔

ایک اہم واجب

ایک روز مجلس میں آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی کتاب
بنام ”حضور ﷺ نے فرمایا“ سے حدیث پاک پڑھ کر سنائی جس کا مفہوم ہے کہ رزقِ حلال
کی تلاش فرائض کے بعد سب سے اہم فریضہ ہے، نیز آدمی کے ذمہ اہل وعیال کا نفقہ واجب
ہے۔

اس پر ارشاد فرمایا: کہ ہم نے چند اعمال ہی کو واجب سمجھ رکھا ہے مثلاً وتر کی نماز واجب
ہے، عیدین کی نماز واجب ہے، قربانی واجب ہے وغیرہ۔ حالانکہ اہل وعیال کی ضرورت کی
خاطر رزقِ حلال کی تلاش بھی واجب کا درجہ رکھتی ہے۔ دوستو! کیا کبھی گھر سے نکلتے ہوئے ہم
اس واجب کی ادائیگی کی نیت کرتے ہیں؟ روزانہ آفس جانے کے لئے، دوکان جانے کے لئے

گھر سے نکلتے ہیں اور کبھی نیت نہیں کرتے کہ ہم آفس یا دوکان کیوں جا رہے ہیں؟ بس گھر والوں کو سلام کیا، دعا پڑھ لی اور نکل گئے۔ اگر پوچھیں کہاں جا رہے ہیں؟ تو کہیں گے آفس جا رہے ہیں، دوکان جا رہے ہیں۔ کیوں جا رہے ہیں؟ تو کہیں گے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کاروبار کرنے جا رہے ہیں، دوکان پر نہیں جائیں گے تو کاروبار کیسے کریں گے۔ تو ہم دوکان پر اس لئے جاتے ہیں تاکہ کاروبار کریں اور کاروبار اس لئے کرتے ہیں تاکہ مال بڑھے اور خوب بینک بیلینس ہو۔ حالانکہ آفس اور دوکان جاتے ہوئے اگر ہم یہ نیت کرلیں کہ ہم اس کاروبار کے ذریعہ اپنے گھر والوں کے لئے حلال نان ونفقہ کا انتظام کریں گے تو اس نیت پر ہمیں واجب کی ادائیگی کا ثواب مل جائے گا۔ برسوں ہوگئے کاروبار کرتے ہوئے، ملازمت کرتے ہوئے لیکن کبھی ہم اس نیت کے ساتھ گھر سے نکلنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

اور اگر نیت کی درستگی اور استحضار کے ساتھ کمایا بھی تو سمجھتے ہیں کہ یہ سب ہمارا ہے، ہماری کمائی میں کسی کا کوئی حصہ نہیں، بچا بچا کر رکھتے ہیں خرچ نہیں کرتے، ڈرتے ہیں کہ کہیں مال گھٹ نہ جائے حالانکہ دینے سے مال بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ یہ سوچ ہی غلط ہے کہ آدمی بچا بچا کر مالدار بنتا ہے۔ میرا تجربہ تو یہی کہتا ہے کہ آدمی روکنے سے نہیں بلکہ دیتے رہنے سے مالدار بنتا ہے اور اس کی ایک نہیں دسیوں مثالیں میرے سامنے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند مثالیں سن لیں، کاش! کہ یہ مثالیں ہماری سوچ کی تبدیلی کا ذریعہ بن جائیں اور ہم بچا بچا کر رکھنے کے بجائے خوب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے بن جائیں۔

ایثار کی برکت

واقعہ (۱) میرے ایک دوست دبئی میں رہتے ہیں، اب تو ماشاء اللہ وہاں ان

کا بڑا کاروبار ہے لیکن دبئی پہنچنے کے بعد کے اپنے ابتدائی حالات خود انہوں نے مجھ سے بیان کئے کہ جب میں پہلی مرتبہ دبئی گیا تھا تو اس وقت میرے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ بہت تلاش اور کوشش کے باوجود مجھے کوئی کام نہیں ملا، جو پیسے پاس میں تھے وہ سب ختم ہوگئے، کسی سے مانگتے ہوئے بھی شرم آتی تھی کہ کیسے کہوں، آخر میں صرف دس درہم میرے پاس بچے تھے اور اس وقت تک مجھے کوئی کام نہیں ملا تھا۔ اسی دوران میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا کہ ہمارے ہی وطن کا ایک لڑکا میرے پاس آیا، وہ بھی ملازمت کی تلاش میں تھا۔ میں نے اس سے پوچھ کہ تمہیں کوئی کام ملا؟ کہنے لگا نہیں، تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کھانے کے لئے پیسے ہیں؟ کہنے لگا میرے پاس تو ایک درہم بھی نہیں ہے۔ میں نے اپنے دس درہم نکالے اور پانچ درہم اسے دیتے ہوئے کہا کہ بھائی! کام تو مجھے بھی اب تک نہیں ملا ہے اور پیسے بھی صرف دس درہم میرے پاس بچے ہوئے ہیں لیکن مجھے یہ گوارہ نہیں ہے کہ میں تو پیٹ بھر کھاؤں اور تو بھوکا رہے لہٰذا یہ پانچ درہم رکھ لے اور کسی طرح کام چلا، اللہ پاک ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرمائیں گے۔

دیکھیں دوستو! کس حال میں ایثار کیا ہے کہ اجنبی ملک ہے، اجنبی لوگ ہیں، کمائی کی کوئی سبیل نہیں ہے لیکن اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے ساتھی کا خیال رکھا تو آج اللہ پاک نے ایسا نوازا ہے کہ لاکھوں روپے اللہ کی راہ میں بانٹتے ہیں، نہ جانے کتنی بچیوں کی شادی کروادی، کتنوں کے گھر بنوادئے اور الحمد للہ آج بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہنے کا معمول ہے۔ تو دیکھئے کہ کس بے سروسامانی کے عالم میں پانچ درہم اللہ کی رضا کے واسطہ دئے تھے تو اس کے بدلہ اللہ پاک نے کس طرح غیب سے روزی کا دہانہ کھول دیا۔

واقعہ (۲) ایک مرتبہ میں ایک شخص کے پاس چندہ لینے کے لئے گیا، انہوں نے مجھ سے پوچھا کتنی ضرورت ہے؟ میں نے اپنی ضرورت بتلادی، انہوں نے مجھے فوراً روپے دے دئے۔ ایک صاحب جن کی معرفت میں ان کے پاس پہنچا تھا ان سے بھی انہوں نے اسی طرح پوچھا، انہوں نے بھی اپنی ضرورت بتلادی، انہوں نے فوراً انہیں بھی مطلوبہ رقم دے دی۔ اسی طرح اور بھی بہت سے لوگ تھے جو وہاں اپنے اپنے تقاضے لے کر آئے تھے۔ وہ شخص ہر ایک کی ضرورت اور تقاضہ کے مطابق انہیں دیتا جا رہا تھا۔ ذرا غور کریں کہ وہ شخص کتنا اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوگا۔

جب وہ تمام لوگوں کو چندہ دے کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے ہم سے کہا کہ آپ حضرات کھانا کھا کر جائیں، میرے ساتھی عذر کرنے لگے تو میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ اصرار کر رہے ہیں تو ہمیں کھانا کھا کر جانا چاہئے، اتنا بڑا سخی آدمی ہے پتہ نہیں اللہ پاک کی کتنی رحمتیں ان کے گھر اترتی ہوں گی۔ جب ہم کھانا کھانے بیٹھے تو انہوں نے ہمیں اپنی سرگذشت سنائی کہ شروع میں ایک وقت مجھ پر ایسا گذرا کہ میرا کاروبار بہت بڑے پیمانے پر چل رہا تھا، اچانک مجھے اس کاروبار میں بہت بڑا نقصان ہوا حتیٰ کہ میں کنگال ہو گیا۔ اسی دوران میں نے یہ سوچ کر عمرہ کا ارادہ کیا کہ مجھے اللہ کے دربار میں جا کر ان سے اپنے حالات کی درستگی کی دعا مانگنا چاہئے۔ چنانچہ میں اپنی اہلیہ کو لے کر عمرہ کرنے چلا گیا، اس وقت میری اہلیہ کی ملکیت میں کچھ زیور تھے جو وہ پہن کر گئی تھی اور وہی ایک چیز تھی جو اس وقت ہماری کل پونجی تھی۔ میں نے وہاں پہنچ کر اس سے کہا کہ دیکھو! صدقہ کرنے سے پریشانی دور ہوتی ہے، ایک کا دس گنا بڑھا کر اللہ پاک دیتے ہیں۔ اور پھر حرم کی نیکی کا کیا پوچھنا لہٰذا تو یہ سارا زیور یہاں اللہ کی

راہ میں خرچ کر دے کیوں کہ یہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔ وہ اللہ کی بندی مان گئی اور سارا زیور نکال وہیں صدقہ کر دیا۔ آپ یقین جانئے ان صاحب کا بیان ہے کہ وہاں سے واپسی کے بعد اللہ پاک نے اس طرح روزی کا دروازہ کھولا جو ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا، مال تھا کہ بس آتا ہی چلا جا رہا تھا۔ ابھی حال ہی میں جو زلزلہ آیا تھا اس میں انہوں نے تنہا زلزلہ متاثرین کے لئے ایک خطیر رقم امداد کی ہے۔

دیکھیں دوستو! کس حال میں انہوں نے صدقہ کیا تھا کہ آخری سرمایہ تھا وہ بھی اللہ پاک کی ذات پر یقین رکھتے ہوئے کہ راہِ خدا میں دینے سے مال بڑھتا ہی ہے کبھی نہیں گھٹتا اور اللہ پاک کئی گنا بڑھا کر اسے لوٹاتے ہیں۔ اس طرح اللہ پاک نے انہیں نوازا کہ تنہا ہی زلزلہ متاثرین کے لئے انہوں نے ایک بڑی رقم کا عطیہ دیا ہے۔ تو دینے سے مال بڑھا یا گھٹ گیا؟

واقعہ (۳) حدیث شریف میں صدقہ کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ صدقہ اللہ پاک کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، نیز یہ کہ اس کے ذریعہ اللہ پاک تکلیف اور پریشانی کو دور فرماتے ہیں، اب کس طرح دور فرماتے ہیں اس کی تازہ مثال بھی سن لیجئے۔ حضرت مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم کا واقعہ ہے، اب انہیں پتہ چلے گا تو مجھ پر خفا ہوں گے کہ میرا راز فاش کرتا ہے لیکن چونکہ اس واقعہ سے لوگوں کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوگا اور انہیں اس عمل کی تحریک اور ترغیب ملے گی اس لئے بیان کرتا ہوں۔

ہمارے شیخ اول عارف باللہ حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب ؒ بمبئی تشریف لائے ہوئے تھے۔ بمبئی سینٹرل پر واقع سہاگ پیلس نامی بلڈنگ میں جہاں اکثر اللہ والوں کا قیام ہوا کرتا ہے آپ کا قیام تھا، مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم حضرتؒ سے ملاقات کرنے کی

غرض سے گھر سے چلے۔ بس اسٹاپ پر پہنچے تو دیکھا کہ منزل تک جانے کے کرایہ میں کچھ پیسے کم ہیں، مولانا نے سوچا کہ اگر بس میں بیٹھوں تو پیسے پورے نہ ہونے کی وجہ سے کنڈیکٹر بس سے اتار دے گا۔ لہٰذا ایسا کرنا چاہئے کہ ایک دو اسٹاپ پیدل چل لیں تا کہ کچھ مسافت طے ہوکر کرایہ کم ہوجائے اور موجودہ پیسوں سے منزل تک جانے کا کرایہ پورا ہو سکے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں اپنے اس خیال پر چلنے لگا کہ دفعۃً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ حدیث شریف میں صدقہ کے متعلق وارد ہوا ہے کہ صدقہ بلاؤں اور تکلیفوں کو ٹالتا ہے، اور یہ بھی تکلیف اور پریشانی ہی کی بات ہے کہ میں ایک دو کلومیٹر پیدل چلوں۔ لہٰذا میں نے ان پیسوں میں سے کچھ صدقہ کردیا تا کہ موجودہ پریشانی دور ہو اور آسانی سے منزل تک پہنچ جاؤں۔ ابھی میں صدقہ کرکے کچھ ہی دور چلا تھا کہ ایک گاڑی میرے قریب آکر رکی اس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت! کہاں جانا ہے؟ میں نے کہا بمبئی سینٹرل جانا ہے، کہنے لگے مجھے بھی وہیں جانا ہے آپ بیٹھئے میں آپ کو پہنچا دوں گا۔

دیکھا دوستو! کرایہ کے پیسے کم ہونے کے باوجود اسی میں سے صدقہ کررہے ہیں اور پریشانی دور ہورہی ہے۔ آخر کیا بات ہے کہ صدقہ سے متعلق جو فضائل حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احادیث میں بتلائے ہیں ہم بھی آپ کے ان ارشادات کو پڑھتے اور سنتے ہیں لیکن کبھی ہمارا عمل تو اس طرح کا نہیں ہوتا؟ عمل تو کجا کبھی ذہن بھی اس جانب متوجہ نہیں ہوتا کہ اس طرح بھی پریشانیوں کو دور کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ہمیں ان ارشادات پر جس درجہ کا یقین ہونا چاہئے تھا اس درجہ کا یقین ہمیں حاصل نہیں ہے۔ اللہ

والوں کو یقین کا یہی درجہ حاصل ہوتا ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یقیناً ویسے ہی ہوکر رہے گا اس کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ اور جب وہ سو فیصد یقین کرتے ہوئے آپ کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں تو اس کے نتائج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اللہ کرے کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر اس درجہ کا یقین ہمیں بھی حاصل ہوجائے۔ آمین

واقعہ (۴) ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ایک نوجوان اور ایک بوڑھا مشترکہ طور پر کھیتی کیا کرتے تھے، آپس میں یہ طے تھا کہ جو غلہ پیدا ہوگا اسے آدھا آدھا تقسیم کرلیں گے۔ جب فصل پک کر تیار ہوئی تو کٹائی کے بعد اناج کا ڈھیر جمع ہوگیا اور اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا، روزانہ ہر حصہ دار اپنے حصہ میں سے اناج لے کر اپنے گھر چلا جاتا۔ جب نوجوان اپنے حصہ کا اناج لینے آتا تو اس کے دل میں خیال آتا کہ میں تو نوجوان اور تندرست ہوں، محنت کرکے اور کما سکتا ہوں، یہ بے چارہ بوڑھا ہوچکا ہے، زیادہ محنت نہیں کرسکتا، لہٰذا پیداوار میں سے اسے زیادہ دینا چاہئے۔ چنانچہ وہ بوڑھے کی غیر موجودگی میں اپنے حصہ کے ڈھیر میں سے اناج نکال کر اس کے حصہ کے ڈھیر میں رکھ دیتا۔ اسی طرح جب بوڑھا اپنے حصہ میں سے اناج لینے آتا تو وہ بھی یہ خیال کرتا کہ میں تو اب بوڑھا ہوچکا ہوں، میری خوراک ہی کتنی ہے، یہ بے چارہ بال بچوں والا ہے اسے اناج کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ سوچ کر وہ اپنے حصہ میں سے نکال کر اس کے حصہ میں ڈال دیتا۔ چونکہ دونوں کی نیت صادق اور خالص تھی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں کے گھر اناج سے بھر گئے اور باہر اناج کا ڈھیر صحیح سالم رکھا ہوا تھا۔

یہ ہے نیتِ صادق اور جذبۂ ایثار کا اثر کہ ہمیشہ اپنی ضرورت پر اپنے ساتھی کی ضرورت کو مقدم رکھا تو اللہ پاک نے اس میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ دونوں کے گھر اناج سے بھر گئے

اور باہر ذخیرہ ویسا ہی رکھا ہوا ہے۔

تاجر حضرات اور خصوصاً مشترک تجارت کرنے والے حضرات اس واقعہ کی روشنی میں اپنے اپنے کاروبار کا جائزہ لیں اور اپنی اپنی نیتوں کو ٹٹولیں کہ کیا ہمارے اندر بھی یہی جذبہ ہوتا ہے؟ اور کیا ہماری سوچ بھی اپنے ساتھی اور پارٹنر کے تئیں یہی ہوتی ہے کہ خواہ مجھے تکلیف ہو، کچھ کم ہی مل جائے لیکن میرے ساتھی کی ساری ضرورتیں پوری ہوجائیں۔ نہیں، ہم ایسا نہیں سوچتے بلکہ ہماری سوچ تو ایسی ہوتی ہے کہ ہماری ساری ضرورتیں پوری ہوجائیں چاہے ہمارا ساتھی پریشان رہے۔ جب اس سوچ کے ساتھ کام کیا جاوے گا تو پھر برکت کہاں سے آوے گی؟ یہی وجہ ہے کہ کام خوب پھیلتا ہے، مال بہت آتا ہے لیکن ضرورتیں ہیں کہ پورا ہونے کا نام نہیں لیتیں، ہمیشہ تنگی اور پریشانی کا سامنا رہتا ہے۔

واقعہ (۵) حالانکہ اپنا واقعہ نہیں بیان کرنا چاہئے لیکن جب زبان پر آہی گیا تو سن لیجئے اور حضرت تھانویؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب بات زبان پر آجائے تو کہہ دینا چاہئے۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ میرے گھر تشریف لائے، اللہ ہی کا احسان ہے کہ اللہ والے اکثر میرے گھر تشریف لاتے رہتے ہیں یہ اللہ پاک کی ستاری ہے کہ انہوں نے میرے عیوب کو چھپا رکھا ہے ورنہ میرے گھر کون آتا۔ جب وہ تشریف لائے تو میں انہیں اپنا کاروبار بتانے کے لئے اپنے ساتھ دوکان پر لے گیا (درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ اللہ والوں کو اپنا کاروبار بتانا چاہئے کہ ان کے دل میں لالچ نہیں ہوتی، حسد نہیں ہوتا کہ وہ ہمارا کاروبار دیکھ کر جلنے لگیں۔ دل میں حسد ہو اور آدمی اللہ والا ہوجائے، دل میں کینہ ہو اور آدمی اللہ والا ہوجائے، مسلمان کی ترقی اور خوشحالی دیکھ کر دل رنجیدہ ہوتا ہو اور وہ اللہ والا ہوجائے، دشمن کے

نقصان کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہو اور وہ اللہ والا ہوجائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان کبائر اور امراض باطنہ کے ساتھ بھی کسی کو اللہ کا تعلق اور ان کی معرفت نصیب ہوجائے) چنانچہ دوکان پر لے جاکر میں نے انہیں اپنا کاروبار بتانا شروع کیا کہ حضرت! یہ میری دوکان ہے، وہ بھی میری دوکان ہے، میرا یہ بھی کاروبار ہے میں یہ بھی کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت دیکھتے رہے اور خوش ہوتے رہے۔ پھر میں نے کہا کہ حضرت! اس کے علاوہ بھی میرا ایک کاروبار ہے، دریافت فرمایا کہ وہ کون سا کاروبار ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت! میرا یہ کاروبار تو صبح دوکان کھلنے کے بعد شام کو دوکان بند ہونے تک جاری رہتا ہے اور میرا وہ کاروبار شام کو دوکان بند ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ سن کر وہ بزرگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کون سا کاروبار ہے جو دوکان بند ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ پھر حضرت ہی کے دریافت فرمانے پر میں نے انہیں بتایا کہ صبح سے لے کر شام تک دوکان کھول کر میں مخلوق کے ساتھ سودا کرتا ہوں اور شام کو دوکان بند کرنے کے بعد خالق کے ساتھ سودا کرتا ہوں کہ یا اللہ! دن بھر میں نے مخلوق کے ساتھ سودا کیا تو آپ نے اپنے فضل سے مجھے اس میں اتنا نفع عطا فرمایا، اب میں آپ کی رضا کی خاطر اس میں سے اتنا حصہ آپ کے حاجت مند اور ضرورت مند بندوں کے لئے نکالتا ہوں، اور پھر روزانہ کی آمدنی میں سے ایک مقررہ حصہ یا تو نکال کر رکھ دیتا ہوں یا پھر اسے ایک الگ کاغذ پر لکھ لیتا ہوں۔ جب سے اس ترتیب پر عمل کررہا ہوں اللہ ہی کا احسان ہے کہ مال بڑھتا ہی ہے کبھی کم نہیں ہوتا۔ یہ سن کر وہ بزرگ مسکرائے اور فرمایا ہاں ہاں جو ان سے سودا کرتا ہے وہ کبھی نقصان نہیں اٹھاتا۔

اس کے علاوہ بھی متعدد مثالیں میرے سامنے ہیں جن میں سے بعض کو تو میں براہ

راست جانتا ہوں اور بعضوں کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ وہ کس طرح اپنا مال اللہ رب العزت کی راہ میں بے دریغ خرچ کر رہے ہیں اور مال ہے کہ بڑھتا جا رہا ہے، کبھی ان کا ہاتھ تنگ نہیں ہوتا ہے۔

نفع کس بنیاد پر ہوتا ہے؟

دوستو! یہ سب یقین کی بنیاد پر ہوتا ہے جس کو جس قدر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر یقین ہوتا ہے وہ اسی قدر ان ارشادات کے مطابق عمل کرتا ہے اور اپنے یقین کے بقدر ہی ان ارشادات کے منافع اور ثمرات اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ ابھی بہت سے افراد ایسے ہیں جنہوں نے اپنی آمدنی میں سے زکوٰۃ کے علاوہ بھی ایک معتد بہ حصہ اللہ کی راہ میں دینے کے لئے مقرر کر رکھا ہے اور وہ ہر ماہ اسے پابندی کے ساتھ نکالتے بھی ہیں۔ اور بعض تو اللہ کے بندے ایسے ہیں جنہوں نے صرف راہِ خدا میں دینے ہی کے لئے ایک مستقل کاروبار شروع کر رکھا ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنا دوسرا کاروبار صرف اسی لئے جاری رکھا ہے کہ وہ اس کی ساری آمدنی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے، ان کا کہنا ہے کہ ایک کاروبار سے میرے گھر کا سارا خرچ پورا ہو جاتا ہے میں نے یہ دوسرا کاروبار شروع ہی اس لئے کیا تھا کہ اس کی ساری آمدنی کو راہِ خدا میں خرچ کروں گا۔

اس دور کا حاتم

اسی طرح ایک شخص کی آفس میں جانے کا اتفاق ہوا بڑی عالیشان آفس تھی، اس کا فرنیچر بھی بہت عمدہ تھا، اگر اندازہ لگائیں تو میرے خیال سے اس آفس کی مالیت، اس کے فرنیچر اور دوسرے کاروباری ساز و سامان پر تقریباً دو کروڑ روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔ اللہ کے

اس بندہ نے بھی اتنی خطیر رقم صرف کر کے وہ کاروبار اس لئے شروع کیا تھا کہ اس سے حاصل ہونے والی تمام تر آمدنی کو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے، ایک روپیہ بھی وہ اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لاتا تھا۔

دل ہو تو ایسا

اسی طرح کسی صاحب نے ایک شخص کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تقریباً پانچ سو طلباء کے قیام و طعام کا انتظام ہے اور وہ شخص تنہا اپنے خرچ سے مدرسہ کے تمام اخراجات پورے کرتا ہے، مدرسہ سے متصل اس کی ایک بہت بڑی جگہ بھی ہے۔ ایک مرتبہ اس علاقہ میں تبلیغی جماعت کا اجتماع طے پایا جس میں پچاس ہزار آدمیوں کی شرکت متوقع تھی، جگہ کی تلاش شروع ہوئی، ذمہ داروں نے سوچا کہ اس کے پاس بہت بڑی جگہ ہے جو اجتماع کے لئے مناسب بھی ہے، لہٰذا چل کر اس جگہ کے بارے میں اس سے بات کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ لوگ گئے اور اس سے بات کی کہ ہمیں تین دن کے اجتماع کے لئے آپ کی جگہ کی ضرورت ہے۔ اس نے معلوم کیا کہ کتنے افراد آئیں گے؟ انہوں نے بتایا کہ تقریباً پچاس ہزار افراد شریک ہوں گے۔ اس نے کہا کہ میں ایک شرط پر اپنی جگہ دینے کو تیار ہوں کہ تین دن تک تمام افراد کے تینوں وقت کا کھانا میرے ذمہ ہوگا اور اس کے علاوہ بھی جب تک بقیہ افراد موجود رہیں گے ان کا کھانا میرے ذمہ رہے گا، اگر یہ شرط منظور ہو تو میں اپنی جگہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ اس اجتماع میں مسلسل تین روز تک تمام افراد کا تینوں وقت کا کھانا اسی کی جانب سے ہوا۔

ایک یہ بھی مثال ہے

یہ تو چند ایسے افراد کے واقعات تھے جنہیں اللہ پاک نے خوب مال سے نوازا ہے اور

وہ اسی قدر اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے افراد کی مثالیں بھی میرے سامنے ہیں جن کی آمدنی بہت محدود ہے، اس کے باوجود وہ ہر ماہ اپنی آمدنی میں سے ایک مقررہ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک نوجوان میرے پاس آتا ہے جس کی ماہانہ آمدنی تقریباً دو ہزار روپے ہے اور وہ عیال دار بھی ہے۔ بمبئی میں بال بچوں کے ہوتے دو ہزار روپے کتنی بڑی آمدنی ہے اس کا اندازہ آپ حضرات لگا ہی سکتے ہیں، اس کے باوجود وہ ہر ماہ ساٹھ روپے میرے مدرسہ میں چندہ دیتا ہے۔ میں نے اس سے ہر چند کہا کہ تو بال بچوں والا ہے ساٹھ روپے کے بجائے تیس روپے دے دیا کر، تو کہنے لگا کہ الحمد للہ ساٹھ روپے دینے کے بعد بھی بڑی آسانی کے ساتھ میرے گھر کی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں اور مجھے کوئی تنگی پیش نہیں آتی۔ دیکھیں! اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی برکت کیسے ظاہر ہو رہی ہے کہ محدود آمدنی میں بھی ساری ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

دوستو! بات دراصل یہ ہے کہ جب آدمی اللہ کی رضا کے واسطے اپنا مال خرچ کرتا ہے تو اللہ پاک غیب سے اس کے لئے روزی کا انتظام فرماتے ہیں اور اس میں برکت بھی عطا فرماتے ہیں۔ اور جب آدمی اپنا ہاتھ روک لیتا ہے تو وہاں سے آنا بھی بند ہو جاتا ہے، یا آتا تو ہے لیکن اس میں برکت نہیں ہوتی، مال کی زیادتی کے باوجود ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور آدمی ہر وقت پریشان اور فکر مند رہتا ہے۔

ایک بات مثال سے سمجھیں

اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ آج کل ہر آدمی کراس وینٹیلیشن

والا گھر خریدنا چاہتا ہے کہ ایک جانب سے ہوا آئے اور دوسری جانب سے پاس ہو جائے تا کہ ہوا سے پورا نفع اٹھایا جا سکے۔ اب اگر کسی مکان میں صرف ایک جانب کھڑکی ہو جس سے ہوا تو گھر میں آئے لیکن اس کے پاس ہونے کے لئے دوسری جانب کھڑکی نہ ہو تو ہوا سے جو نفع ملنا چاہئے تھا وہ صحیح معنوں میں نہیں مل سکتا، یا تو ہوا آ کر پلٹ جائے گی یا اگر آئے گی اور پاس ہونے کی جگہ نہیں ملے گی تو پھر مکان میں حبس ہونا شروع ہو جائے گا۔ بعینہٖ یہی معاملہ مال کا بھی ہے کہ جب تک آدمی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے تو اللہ پاک کی جانب سے آنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور جب آدمی اپنا ہاتھ روکنا شروع کرتا ہے تو وہاں سے آنا بھی بند ہو جاتا ہے۔

ایک عبرت انگیز واقعہ

میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ اگر ان کا نام لوں تو یہاں بیٹھے ہوئے بہت سے افراد جان جائیں گے، ایک زمانہ میں ان کا بہت اچھا کاروبار تھا اور الحمد للہ خوب اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے تھے، ماہانہ آٹھ ہزار، دس ہزار حتیٰ کہ پندرہ ہزار روپے تک وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے اور جب تک یہ معمول جاری رہا کاروبار بھی خوب اچھی طرح چلتا رہا۔ پھر انہوں نے حساب لگانا شروع کیا کہ اگر ماہانہ پندرہ ہزار روپے سے حساب لگاؤں تو سالانہ ایک لاکھ اسی (۸۰) ہزار روپے بنتے ہیں تو اس طرح میں ایک بڑی رقم سالانہ اس مد میں خرچ کرتا ہوں جو کہ میری سالانہ زکوٰۃ سے بہت زیادہ ہے۔ بس یہ سوچ کر انہوں نے خرچ کرنا کم کر دیا، اس کے بعد سے آج تک میں نے انہیں کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا۔

دوستو! بے شک زکوٰۃ کل مال کے صرف ڈھائی فیصد پر فرض ہوتی ہے لیکن جنہیں اللہ

پاک نے وسعت دے رکھی ہے اور وہ بسہولت اس سے زیادہ خرچ کر سکتے ہیں تو انہیں وینی مواقع میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہاں خرچ کرنے سے مال گھٹتا نہیں بڑھتا ہی ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ بہت سے افراد وسعت وکشادگی کے باوجود کسی طرح فرض کی ادائیگی کر لیتے ہیں اور اسی پر اکتفا کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

نماز بگڑی سب بگڑا

ارشاد فرمایا: کہ زندگی میں ہر شعبہ کا بگاڑ نماز میں بگاڑ کی وجہ سے ہے، جو جس قدر نماز میں سستی کرے گا وہ اسی قدر زندگی کے ہر شعبہ میں سست رہے گا۔ یاد رکھیں! جو شخص حیَّ علی الصلوٰۃ کی آواز سن کر بھی تکبیر اولیٰ فوت کر دیتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں نماز کی اہمیت نہیں ہے بدین کی عظمت نہیں ہے۔ جب اس کے دل میں دین کی عظمت ہی نہیں ہے تو پھر اسے نہ دینی کتابوں سے نفع ہوتا ہے اور نہ علماء اور مشائخ کے مواعظ سے، اس لئے کہ دین کا حصول تمام تر دین کی عظمت پر موقوف ہے۔

نفس کی چال بازی کب سے شروع ہوتی ہے؟

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ میرے دو چھوٹے پوتے ہیں، ایک ڈھائی سال کا اور دوسرا تقریباً چار سال کا ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ وہ ہر وقت مجھے ان بچوں کے ذریعہ کچھ نہ کچھ عبرت ونصیحت کی باتیں سمجھاتے رہتے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ جب میں رات میں گھر پہنچا تو اپنے چھوٹے پوتے شہاب الدین کو آواز دی کہ بیٹا شہاب الدین! یہاں آؤ میں تمہیں پیار کروں گا، لیکن وہ نہیں آیا تو میں نے بڑے پوتے کا نام لے کر کہا کہ محمد انس میرا بہت اچھا بیٹا ہے وہ میرے پاس آئے گا۔ یہ سن کر محمد انس فوراً میری گود

میں آکر بیٹھ گیا۔ جب شہاب الدین نے دیکھا کہ محمد انس آکر گود میں بیٹھ گیا ہے تو وہ بھی دوڑ کر میری گود میں آبیٹھا اور کہنے لگا کہ دادا ابا! میں بھی اچھا ہوں۔ اس پر بڑا پوتا محمد انس مجھ سے کہنے لگا کہ دادا ابا! یہ ففٹی ففٹی ہے۔ میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ کہنے لگا کہ یہ آدھا اچھا ہے اور آدھا خراب ہے۔ تو میں نے اس سے پوچھا کہ تم کیسے ہو؟ کہنے لگا کہ میں زیادہ اچھا ہوں اور تھوڑا خراب ہوں۔ دیکھا آپ نے کہ ڈھائی سال اور چار سال کے بچوں کو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ میں اچھا ہوں۔

اسی طرح میرے ایک دوست ہیں جن کے گھر میرا اکثر جانا ہوتا تھا، ان کی دو چھوٹی بچیاں تھیں۔ اب تو وہ دونوں ماشاء اللہ بڑی ہو چکی ہوں گی اس وقت بہت چھوٹی تھیں۔ چھوٹی لڑکی چونکہ صحت مند تھی اس لئے وہ اپنے قد وقامت کے اعتبار سے بڑی لگتی، میں چھوٹی لڑکی کی جانب اشارہ کر کے بڑی لڑکی سے پوچھتا کہ بیٹا! یہ تم سے بڑی ہے؟ تو وہ مجھ پر بہت خفا ہوتی کہ انکل! آپ سے کتنی مرتبہ بتایا ہے کہ بڑی وہ نہیں میں ہوں۔

دیکھیں! اسی عمر سے بچوں کو سمجھ میں آتا ہے کہ میں بڑی ہوں اور میں اچھا ہوں۔ آخر بڑا ہونا اور اچھا ہونا انہیں کون سمجھاتا ہے؟ یہ نفس انسان کا اتنا بڑا دشمن ہے کہ دو ڈھائی سال کی عمر ہی سے بچوں کو سمجھانا اور ان کے مزاج میں یہ بٹھانا شروع کر دیتا ہے کہ تم بڑے ہو اور تم اچھے ہو جبکہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ خود کو بڑا اور اچھا سمجھنا کتنا بڑا روحانی مرض ہے۔ نفس اتنے بڑے روحانی مرض کا بیج دو ڈھائی سال کی عمر سے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ جب یہ مرض آدمی کے اندر بچپن سے پروان چڑھے گا اور طبیعت میں رچا بسا ہوگا تو آپ خود اندازہ لگائیں کہ پھر تو جوانی کی عمر کو پہنچتے پہنچتے یہ مرض آدمی کے

اندر کس قدر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہوگا۔ آدمی خود کو جو اچھا اور بڑا سمجھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ آج اس مرض میں مبتلا ہوا ہے بلکہ یہ نفس بچپن ہی سے اس مرض کو اس کی طبیعت میں سرایت کرتا رہا ہے، اب جبکہ یہ مرض بتدریج جڑ پکڑ چکا ہے تو خوب ظاہر اور عیاں ہو رہا ہے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ یہ اندر کا ہم کہ میں بڑا ہوں، میں اچھا ہوں، میں کچھ ہوں اور میں تو ایسا ہوں یہ جلدی نہیں جاتا۔ اسی کو نکالنے کے لئے اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں اور کبھی کبھی ان کی جوتیاں کھانی بھی پڑتی ہیں۔ مشائخ سے ان کا علاج کرانا پڑتا ہے پھر ان کے بتائے ہوئے علاج کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر اس مہلک مرض سے نجات ملتی ہے۔ یاد رکھیں! جب تک یہ اندر کا ہم نہیں جائے گا اور جب تک آدمی اپنی نگاہ میں بے قیمت اور ذلیل نہیں ہوگا اس وقت تک وہ اللہ پاک کو پا نہیں سکتا، اللہ پاک ملتے انہیں کو ہیں جو اپنی نگاہ میں ذلیل اور حقیر ہوتے ہیں۔

نفع بخش چیز

ارشاد فرمایا: کہ جب آدمی کی زندگی میں حقیقی دین ہوگا تو وہ یقیناً اسے نفع پہنچائے گا۔ اور اگر زندگی میں حقیقی دین نہیں ہوگا بلکہ صرف دین کا دھوکہ ہوگا تو کبھی نفع نہیں ہوگا۔ کیونکہ نفع تو اصل چیز ہی دیتی ہے نقلی چیز گو کہ اصلی جیسی دکھائی دیتی ہے لیکن چونکہ اصلی ہوتی نہیں اس لئے اس سے نفع بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر زندگی میں حقیقی دین نہیں ہوگا بلکہ دین کے نام پر چند ظاہری اعمال ہوں گے اور دین کے بقیہ شعبے اجڑے ہوئے ہوں گے تو یہ دین کا دھوکہ ہوگا، ایسا دین نہ دنیا میں کام آئے گا، نہ قبر میں کام آئے گا، نہ پل صراط پر کام آئے گا اور نہ حشر میں کام آئے گا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم صرف دیندارانہ حلیہ

بنا کر اور ظاہری طور پر نمازی بن کر اپنی دینداری پر مطمئن نہ بیٹھیں، اس خول سے باہر نکلیں، تمام شعبوں کا دین سیکھ کر اس کے مطابق عمل کریں، دین کے دھوکہ سے نکل کر حقیقی دین زندگی میں لانے کی فکر اور کوشش کریں اور یہ دعا بھی خوب اہتمام سے مانگیں کہ یا اللہ! ہمیں کامل دین کی سچی طلب اور تڑپ نصیب فرما۔

بھلائیاں کس طرح جمع ہوں؟

ارشاد فرمایا: کہ یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جو دوسروں کی برائیوں پر نگاہ رکھتا ہے خود اس کی زندگی میں برائیاں جمع ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور جو دوسروں کی اچھائیوں پر نگاہ رکھتا ہے خود اس کی زندگی میں اچھائیاں جمع ہوتی چلی جاتی ہیں۔

ہمارا کاروبار کس نے ٹھپ کیا؟

ایک روز مجلس شروع ہونے سے قبل آپ نے ایک صاحب کو فون کیا، گھنٹی بجنے کے باوجود جب انہوں نے فون نہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا کہ صبح کا وقت ہے ممکن ہے آرام کر رہے ہوں۔ پھر فرمایا کہ مسلمان جب تک سیٹھ اور مالدار نہیں بنتا اس وقت تک تو وہ اپنے کاروبار میں خوب محنت کرتا ہے اور جب دوکان چل پڑتی ہے اور وہ سیٹھ بن جاتا ہے تو پھر خوب سونا شروع کرتا ہے۔ جب سونے کی وجہ سے اور غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے کاروبار کچھ مندہ پڑ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ شاید پڑوسی نے کچھ کر دیا ہے، شاید فلاں نے کچھ کر دیا ہے اور شاید فلاں نے کچھ کر دیا ہے اور پھر عاملوں کے چکر کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ ارے میاں! کسی نے کچھ نہیں کیا، کسی کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ وہ کچھ کرے، اس کے سونے اور اس کی بے دینی ہی نے سارا معاملہ خراب کیا ہے۔ اس لئے کہ جب مال آیا تو

سب سے پہلے یہ اپنے گھر میں ٹی وی لایا، پھر رات میں دیر تک بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا ہے اور صبح فجر کی نماز چھوڑتا ہے۔ پھر اپنی سیٹھائی کے زعم میں بیوی پر ظلم کرنا شروع کرتا ہے اور خوب سوتا ہے، انہی سب وجوہات کی بناء پر اس کا کاروبار ٹھپ پڑ گیا۔ اس پر تو غور نہیں کرتا اور دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتا ہے۔

حقیقی دینداری کیا؟

ارشاد فرمایا: کہ حقیقی دینداری اور پارسائی تو یہ ہے کہ ہماری سوچ اور خیالات بھی اس قدر پاکیزہ ہوں کہ اگر انہیں اللہ پاک کے سامنے پیش کر دیا جائے تب بھی ہماری رسوائی نہ ہو۔ لیکن ہمارے خیالات اور ہماری فکریں اللہ پاک کے سامنے تو کیا مخلوق کے سامنے بھی پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

دوستو! ہم اللہ پاک کی کن کن نعمتوں کا شکر ادا کریں گے، اگر وہ صرف ہمارے دل کی سوچ اور خیالات کو ہی لوگوں پر ظاہر کر دیتے تو سوچیں ہماری یہ ظاہری پارسائی کس کام کی اور کسے دکھانے کے قابل ہوتی۔ یہ ان کا احسان نہیں تو اور کیا ہے کہ ہماری سوچ اور خیالات کو وہ لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے ورنہ کب کی رسوائی ہو چکی ہوتی۔

کامیابی کے دو کام

ایک روز آپ سے اصلاحی تعلق رکھنے والے ایک نوجوان عالم کا آپ کو فون آیا، غالباً انہوں نے آپ سے اپنا کچھ حال بیان کیا تھا جس کے جواب میں آپ نے ان سے فرمایا کہ دیکھیے! مومن جب نیک کام کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور گناہ کرتا ہے تو شرمندہ ہوتا ہے یہ ایمان کی علامت ہے۔ اندازِ گفتگو سے یہ محسوس ہوا کہ انہوں نے آپ سے دعا کی

درخواست کی کہ دعا فرما دیں کہ اللہ پاک مجھے اپنا تعلق نصیب فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا! دو کام کر لیں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو اللہ پاک کا تعلق حاصل ہو جائے گا۔

(۱) ہر وقت کی سنتوں کا اہتمام کریں۔

(۲) گناہوں سے بچتے رہیں۔ پھر فرمایا کہ دیکھئے مولانا! فرض نمازیں دن بھر میں صرف پانچ ہی ہیں، ہم ان کا تو بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن جو عمل ہر دم اور ہر وقت فرض ہے یعنی گناہوں سے اجتناب اسے ہم چھوڑے رہتے ہیں۔ پھر بھلا ہمیں اللہ پاک کا تعلق کیسے ملے گا؟

اللہ سے اللہ کا پتہ پوچھیں

ایک سلسلۂ گفتگو میں ایک مفتی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ مفتی صاحب! اللہ پاک سے لپٹ کر مانگنے کی عادت ڈالیں کہ یا اللہ! آپ مل جائیے، مجھے اپنا تعلق دے دیجئے، مجھے اپنی معرفت نصیب فرما دیجئے پھر دیکھئے اللہ پاک کیسے ملتے ہیں اور کس طرح اپنا تعلق اور اپنی معرفت نصیب فرماتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مفتی صاحب! برسوں پہلے میں نے کہیں ایک بات اللہ پاک ہی کی دی توفیق سے کہی تھی کہ اگر ایک غیر مسلم سے مسجد کا راستہ پوچھیں کہ بھئی مسجد کہاں ہے؟ تو وہ بتا دیتا ہے کہ آپ یہاں سے ایسے چلے جائیں پھر دائیں مڑ جائیں پھر سیدھے چلے جائیں آپ مسجد میں پہنچ جائیں گے۔ جب ایک غیر مسلم سے اللہ کے گھر کا پتہ پوچھیں تو وہ بتا دیتا ہے تو ہم اللہ سے اللہ کا پتہ پوچھیں اور وہ ہمیں نہ بتائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

دو ٹنی بات

ایک مرتبہ ایک بڑے عالم کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ فلاں مفتی صاحب

بڑے ذہین آدمی ہیں، چونکہ علمی مزاج ہے اس لئے جو بات سمجھ میں نہیں آتی اسے ضرور پوچھتے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ میرے گھر تشریف لائے اس وقت میرے ناخن معمول سے کچھ بڑھے ہوئے تھے۔ جوں ہی مفتی صاحب کی نگاہ میرے ناخنوں پر پڑی فوراً دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے آج آپ کے ناخن خلاف معمول کچھ بڑھے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا جی ہاں مفتی صاحب! میں نے انہیں پندرہ دن پر کاٹنے کی نیت سے چھوڑ رکھے ہیں تاکہ اس سنت پر بھی عمل ہو جائے۔ اس لئے کہ روایت میں آپ ﷺ سے کبھی کبھار پندرہ دن بعد کاٹنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ اگلے روز جمعہ کی صبح میں اپنے کمرہ سے نکل کر مفتی صاحب سے ملاقات کرنے ان کے کمرہ میں گیا تو میں نے ان سے کہا کہ مفتی صاحب! میں اس وقت پائجامہ پہنے آپ کے سامنے کھڑا ہوں اسی کو پہن کر رات سو گیا تھا، حالانکہ رات میں کپڑے تبدیل کر کے سونا سنت ہے۔ الحمد للہ روزانہ اس سنت پر عمل کرتا ہوں اور لنگی پہن کر سوتا ہوں لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی کبھار بغیر کپڑا تبدیل کئے اسی کپڑے میں سو جانا بھی ثابت ہے اس لئے گذشتہ رات میں نے لنگی نہیں پہنی اور پائجامہ پہنے ہی سو گیا۔ مفتی صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ اس ملاقات میں دو باتوں کا علم ہو گیا۔ مفتی صاحب کی اس بات سے میرے دل میں ان کی قدر اور بڑھ گئی کہ اتنے بڑے عالم ہو کر مجھ جیسے بے پڑھے لکھے کے سامنے دونی باتوں کے علم کا اعتراف کر لیا۔

رمضان کیسے گذاریں؟

ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ نے ایک کاروباری شخص سے گفتگو کے

دوران انہیں کچھ ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: کہ مجھے پتہ ہے کہ آپ بہت مصروف رہتے ہیں، آپ پر کاروبار کی بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن رمضان المبارک کا یہ مہینہ بڑا قیمتی مہینہ ہے نیکیوں کے بٹورنے اور اللہ کے تعلق کو پانے کا یہ ایک خاص سیزن ہے، اس مہینہ میں اللہ پاک کی رحمتیں اور ان کی عنایتیں بندوں پر بہت بڑھ جاتی ہیں۔ اگر بندہ اس مہینہ میں اللہ کو پانے کے لئے تھوڑی ہمت اور مجاہدہ کر لے تو بہت جلد اسے اللہ پاک کا تعلق حاصل ہو جاتا ہے۔ میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ اس مہینہ میں اپنی کاروباری ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے مسجد کے ہو جائیں اور اپنا سارا وقت مصلی پر گذاریں بلکہ میری گذارش صرف یہ ہے کہ جس طرح ہم سال کے بقیہ مہینے غفلت اور بے فکری کے ساتھ گذارتے ہیں اور ہمہ تن کاروبار کے ہو کر جیتے ہیں کم از کم اس مہینہ کو تو غفلت کے ساتھ نہ گذاریں، اس مہینہ میں ہم اللہ کے ہو کر جی لیں، اپنے کام کے اوقات کی ترتیب بنالیں، جتنے کام رمضان کے بعد پر ٹالے جاسکتے ہوں انہیں رمضان کے بعد پر ٹال دیں۔ اگر ممکن ہو تو اپنا موبائل بھی بند کر دیں، جتنے لوگوں سے کاروباری سلسلہ میں گفتگو کرنی ہے ان سب کی ایک فہرست بنالیں کہ آج مجھے اتنے لوگوں کو فون کرنا ہے اور ان سب سے ضروری گفتگو کرنے کے بعد انہیں بتلادیں کہ اب میں اپنا موبائل بند کر رہا ہوں اب فون پر کل ہی دستیاب رہوں گا۔ گھر پر فون موجود ہی ہے، اگر کسی رشتہ دار کو ہم سے رابطہ کرنا ہوگا تو وہ گھر کے نمبر پر رابطہ کرلے گا۔ باقی وقت اللہ اللہ کریں، مسجد میں چلے جائیں یا گھر میں کسی جگہ تنہائی اختیار کر کے اللہ اللہ کریں۔ یہ موبائل فون ہماری راحت کے لئے ہے لوگوں کی راحت کے لئے نہیں، جب یہ آن رہے گا تو اس پر کسی نہ کسی کا فون آتا رہے گا کہاں تک اس میں مشغول

رہیں گے اور لوگوں کے فون اٹینڈ کرتے رہیں گے؟ جب ہمیں کسی سے بات کرنی ہوگی تو اسے آن کرلیں گے، اس دوران اگر کسی کا فون آگیا تو ریسیو بھی کرلیں گے ورنہ اسے مستقل آن رکھ کر زحمت میں مبتلا ہونے اور رمضان المبارک کے قیمتی اوقات کو ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ رمضان کے جتنے روزے رہ گئے ہیں ان کی قدر دانی کرلیں اور اس کی ایک ایک ساعت کو وصول کرنے کی کوشش کریں۔ گھر میں بھی کہہ دیں کہ اب رمضان المبارک کے بقیہ دنوں میں کچن میں کم سے کم وقت گذاریں، اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ذکر و تلاوت اور نوافل میں گذاریں مختلف انواع و اقسام کے کھانے پکانے کی فکر میں نہ رہیں بس ضرورت کی ایک آدھ ڈش بنا لیں، ہو سکے تو کوئی مقوی چیز بنالیں تاکہ قوت بحال رہے اور طاعت و عبادت میں کسی طرح کا ضعف اور کمزوری لاحق نہ ہو، اس کے علاوہ بقیہ اوقات اللہ اللہ کریں۔ بس یہ سمجھیں کہ اب رمضان کے جتنے دن رہ گئے ہیں وہ ہمیں اللہ ہی کو دے دینے ہیں۔ جس اللہ نے ساری زندگی دی ہے اس میں سے اگر ہم رمضان کے یہ باقی ماندہ چودہ پندرہ روز بھی اسے نہ دیں تو ہم سے بڑا نالائق نکما، بمبئی کی زبان میں ہلکٹ اور مہذب زبان میں احسان فراموش کوئی نہ ہوگا۔

نماز میں غفلت کی وجہ

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ نماز میں غفلت گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے، جس قدر گناہ چھوٹتے چلے جائیں گے اتنا ہی نماز میں دل لگتا چلا جائے گا۔

وقت کی قیمت

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ وقت بڑی قیمتی چیز ہے لیکن لوگ اس کی قیمت کو پہچانتے نہیں ہیں، یہاں وہاں بیٹھ کر فضول کاموں اور فضول باتوں میں اپنا بہت سا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ آدمی کو اس کی صحیح قدر و قیمت اسی وقت معلوم ہوگی جب ملک الموت پیغام اجل لے کر حاضر ہو جائے گا۔ اس وقت آدمی بجز وقت کے کسی اور چیز کا مطالبہ نہ کرے گا کہ بس مجھے تھوڑا سا وقت دے دو اور اس وقت کے مطالبہ کے ساتھ ساتھ اعمال خیر انجام دینے اور طاعت و فرمانبرداری کی زندگی گذارنے کا ارادہ اور عزم بھی کرے گا۔

دوستو! بس یہی سوچ لیں کہ آج کا ہمارا یہ دن مہلت والا اور بڑھا ہوا دن ہے۔ اس لئے جو کرنا ہے آج کرلیں، اعمال کو کل پر نہ ڈالیں بلکہ آرام کو کل پر ٹال دیں۔

زیادہ وقت کہاں گذاریں؟

ارشاد فرمایا: کہ تنہائی کی عادت ڈالیں اور ضروریات سے فارغ ہو کر مسجد میں زیادہ وقت گذارا کریں۔ اس لئے کہ مسجد میں فرشتے رہتے ہیں، وہ ہمہ وقت اللہ رب العزت کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں، کبھی گناہ نہیں کرتے۔ جب ہم اس معصوم صفت مخلوق کے ماحول میں رہیں گے تو ہمارا قلب ان کے ماحول سے ضرور متاثر ہوگا جس کے نتیجہ میں ہمارے لئے بھی طاعت میں اشتغال اور معصیت سے اجتناب آسان ہو جائے گا۔

اب تو اللہ اللہ سوچ

ارشاد فرمایا: کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنے خیالات کو منتشر نہ ہونے دے بلکہ جتنے کام اور جتنی باتیں سوچنے کی ہیں پہلے ان تمام کو سوچ لے کہ مجھے یہ یہ کام کرنے ہیں اور یہ یہ

باتیں سوچتی ہیں۔ جب تمام باتیں سوچ چکے تو اب قلب اور دماغ کو اللہ کی طرف متوجہ کر لے کہ اب تو اللہ اللہ سوچ۔ اور کچھ دیر خاموش رہ کر یہ تصور باندھے کہ اللہ پاک مجھے دیکھ رہے ہیں، اللہ پاک میرے ساتھ ہیں، میرا دل اللہ اللہ کر رہا ہے، میری ہر آنے جانے والی سانس اللہ اللہ کر رہی ہے۔ (پھر آپ نے تقریباً ایک منٹ خاموش رہ کر آنکھیں بند کر کے مراقبہ کر کے بتلایا، پھر آنکھیں کھول کر ارشاد فرمایا کہ) پہلے ان سب باتوں کے لئے مریدوں کو خانقاہ میں رکھ کر ان سے بڑے بڑے مجاہدے کرائے جاتے تھے لیکن آج کسی کے پاس اتنا وقت ہے نہ طلب اور نہ خانقاہوں میں قیام کا وہ نظام ہے۔ اس لئے آج کے ماحول میں جتنے دیر میسر ہو سکے تنہائی میں بیٹھ کر اس تصور اور مراقبہ کی خوب مشق کرنا چاہئے۔

دل و دماغ فارغ رکھنے کا طریقہ

مجھے تو اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کی وہ بات بہت ہی اچھی لگی کہ ایک مرتبہ آپ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ کسی اسٹیشن پر بیٹھے ہوئے تھے، ٹرین آنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ ٹرین کے وقت سے بہت پہلے اسٹیشن پہنچ جایا کرتے تھے۔ اسی دوران آپ نے قلم نکال کر کاغذ پر کچھ لکھا اور حضرت مفتی صاحبؒ سے دریافت فرمایا کہ مفتی صاحب! میں نے کیا لکھا؟ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ حضرت! مجھے نہیں پتہ کہ آپ نے کیا لکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں ایک کام تھا جس کے کرنے کا ابھی وقت نہیں تھا اسے بہت بعد میں کرنا تھا لیکن میرا ذہن بار بار اس کی طرف متوجہ ہو رہا تھا۔ میں نے قلم کے ذریعہ اپنے ذہن کے بوجھ کو کاغذ پر اتار دیا تاکہ میرا دل و دماغ اللہ کی یاد کے لئے فارغ رہے پھر فرمایا کہ مفتی صاحب! دل ان سب باتوں کے

سوچنے کے لئے تھوڑا ہی ہے دل تو اللہ کی یاد کے لئے ہے۔

لیکن ہماری عادت یہ ہے کہ ہم خیالات کے آنے پر انہیں میں گم ہو جاتے ہیں، انہیں سوچ سوچ کر طول دیتے ہیں اور سوچتے رہتے ہیں۔ حالانکہ خیالات کو منتشر کرنے اور ان میں گم ہونے کے بجائے جمعیتِ قلب اور ذہنی یکسوئی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ یہ چیز اللہ والوں کو خوب حاصل ہوتی ہے، وہ اللہ کی یاد میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ انہیں مخلوق کی ملاقات بھی بہت گراں معلوم ہوتی ہے، ان کا سب سے بڑا مجاہدہ مخلوق سے ملنا ہے جلنا ہوتا ہے لیکن پھر اللہ ہی کی نسبت پر وہ مخلوق سے ملاقات کرتے ہیں۔

رمضان المبارک کا یہ مہینہ ذہنی یکسوئی اور جمعیتِ قلب حاصل کرنے کا بہت اچھا موقع ہے۔ میں نے ابھی کسی کتاب میں پڑھا کہ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ فرماتے تھے کہ ”رمضان کی ایک ساعت کے انوارات کا مقابلہ سارے سال کے انوارات مل کر نہیں کر سکتے“ اور بات بھی یہ ہے کہ جمعیتِ قلب کے لئے جتنا سازگار ماحول رمضان المبارک میں ہوتا ہے اور دنوں میں نہیں ہوتا اس لئے اس ماہِ مبارک میں مذکورہ مراقبہ کی خوب مشق کرنا چاہئے۔

اخلاق کیسے ہوں؟

ایک مرتبہ دورانِ گفتگو ایک صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی (جو کہ عالم ہیں اور وہیں پاس بیٹھے ہوئے تھے) کی از راہِ مذاق آپ سے شکایت کی کہ مولانا جہاں تفسیر بیان کرتے ہیں وہاں ایک مرتبہ دورانِ تفسیر مجمع میں دو نوجوان غفلت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ درسِ قرآن میں ان کی توجہ نہیں تھی جس کی بناء پر مولانا بہت خفا ہوئے اور کہا کہ یہاں

لوگ غفلت کے ساتھ درس میں بیٹھتے ہیں لہٰذا میں آئندہ یہاں تفسیر بیان نہیں کروں گا۔ اس پر وہاں کے لوگوں کو بہت افسوس ہوا کہ دو آدمیوں کی وجہ سے درس بند کرنے پر بہت سے لوگوں کا نقصان کیوں ہو؟ آپ ان کی بات سن کر مولانا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مولانا! اللہ پاک جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور باوجود عالم الغیب ہونے کے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ جا کر دیکھو کیا امام میری جانب متوجہ ہے؟ فرشتے دیکھ کر بتلاتے ہیں کہ پروردگار! امام کی توجہ آپ کی جانب نہیں ہے۔ اللہ پاک فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ جا کر دیکھو کیا مقتدیوں میں سے کوئی میری جانب متوجہ ہے؟ فرشتے دیکھ کر بتلاتے ہیں کہ پروردگار! مقتدیوں میں سے بھی کوئی آپ کی جانب متوجہ نہیں ہے۔ یہ سن کر اللہ پاک فرماتے ہیں کہ گرچہ ان میں سے کوئی میری جانب متوجہ نہیں ہے لیکن ان کا مل کر کھڑا ہونا ہی مجھے پسند ہے میں اسی پر ان کی مغفرت کرتا ہوں۔ مولانا! ہمیں بھی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا حکم ہے۔ جب اللہ پاک غفلت پر پکڑ نہیں فرما رہے ہیں بلکہ غفلت کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے پر بھی ان کو پیار آ رہا ہے تو پھر ہمیں کسی کی غفلت پر پکڑ کرنے کا اور اس کی بنیاد پر تفسیر بند کرنے کا کیا حق ہے؟۔

جوتے چپل اتارنے کا ادب

ایک مرتبہ مجلس میں آئے چند لوگوں نے آگے جگہ ہونے کے باوجود پیچھے چپل اتارے۔ جب آپ تشریف لائے اور یہ صورتِ حال دیکھی تو فرمایا: کہ آگے چپل اتارنے کی جگہ خالی ہونے کے باوجود پیچھے چپل اتارنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ جب آگے جگہ ہونے کے باوجود چپل پیچھے اتارے جائیں گے تو پیچھے آنے والے لوگ لامحالہ انہیں چپلوں

پر چپل رکھتے ہوئے آگے بڑھیں گے، جبکہ جوتے چپلوں میں نجاست کے لگے ہونے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ بالفرض اگر کسی چپل میں نجاست لگی ہوئی تھی اور اس نے وہ چپل ہمارے چپلوں پر رکھ دیے تو ہماری چپل بھی خراب ہو جائے گی اور چونکہ ہمیں پتہ نہیں ہوگا اس لئے ہم انہیں چپلوں کو پہن کر اپنے گھر بھی جائیں گے اور مسجد بھی جائیں گے۔ اپنے بیڈ روم میں جائیں تو ممکن ہے پیر دھو بھی لیں لیکن اللہ کے گھر میں جانے پر کون پیر دھوتا ہے؟ اسی نجس ست کے ساتھ مسجد میں چلے جاتے ہیں۔ تقریباً اکثر مساجد میں یہی صورتِ حال ہے کہ مصلیان دروازے ہی پر چپلیں اتار کر اندر چلے جاتے ہیں، پیچھے آنے والے لوگ انہیں چپلوں پر چپل رکھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اتارنے والوں کو نہ نجاست سے بچنے کا خیال ہے اور نہ اس بات کا خیال کہ مصلیان میں ضعیف لوگ بھی ہوتے ہیں، ممکن ہے چپلوں پر چپل رکھنے کی وجہ سے ان کا بیلینس آؤٹ ہو جائے اور وہ ڈگمگا کر گر پڑیں، اتنی موٹی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور اگر خود میں اتنا فہم اور سلیقہ نہیں ہے تو کسی سے پوچھ ہی لیں کہ چپل کہاں اتارے جائیں، کیسے اتارے جائیں؟ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پوچھے کون؟ ہم تو خود کو سب سے بڑا عقل مند اور فہیم آدمی سمجھتے ہیں اسی وجہ سے کسی سے پوچھتے نہیں۔

دوستو! بات دراصل یہ ہے کہ جب دین جاتا ہے تو آدمی کی عقل ماری جاتی ہے، پھر ایسی موٹی موٹی باتیں بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ وہ خود کو لاکھ عقل مند سمجھتا ہو لیکن حقیقت میں وہ عقل سے پیدل ہی ہوتا ہے۔

شبِ براءت سے متعلق کچھ ضروری باتیں

ایک مرتبہ ہنویل کی جامع مسجد میں چودھویں شعبان کو بعد نماز جمعہ دورانِ وعظ آپ

نے شب برأت سے متعلق کچھ ضروری باتیں بیان فرمائیں، جس میں فرمایا: کہ عام طور سے لوگوں کا تصور اس رات سے متعلق یہ ہے کہ یہ جاگنے کی رات ہے۔ وہ اگر کچھ عبادت بھی کر لیتے ہیں تو جب ان پر نیند کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے اسی تصور کی بناء پر نہیں سوتے کہ جی یہ تو جاگنے کی رات ہے اور زبردستی اپنے آپ کو جگاتے ہیں، حالانکہ یہ رات فقط جاگنے کی رات نہیں بلکہ عبادت کے ساتھ جاگنے کی رات ہے۔ یعنی یہ کہ جتنی دیر بشاشت کے ساتھ جاگ کر عبادت کی جاسکے اتنی دیر عبادت میں مشغول رہے اور جب نیند کا غلبہ ہونے لگے تو پڑ کر سو جائے، کچھ دیر آرام کر لینے کے بعد اگر ہمت اور بشاشت ہو تو پھر عبادت میں مشغول ہو جائے، اصل تو بشاشت کے ساتھ عبادت میں مشغول ہونا ہے نہ کہ محض جاگنا مقصود ہے۔

پھر فرمایا کہ بہت سے لوگ پوری رات جاگنے کا اہتمام کرتے ہیں لیکن چونکہ پورے سال اس قدر جاگنے کی عادت کبھی نہیں تھی اس لئے فجر کے قریب ان پر نیند کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ اس وقت شیطان ان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے کہ تم ساری رات کے جاگے ہوئے ہو کچھ دیر کمر سیدھی کر لو پھر فجر پڑھ لینا۔ یہ بے چارے بڑی آسانی کے ساتھ اس کے جال میں پھنس کر لیٹ جاتے ہیں۔ اب جہاں کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹے تو لیٹے ہی رہ گئے اور فجر کی نماز قضا کر دی۔ بھلا بتائیں کہ اس پوری رات کی عبادت اور نوافل کا کیا فائدہ جس کی وجہ سے فجر کی نماز ہی قضا ہو گئی۔

اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس رات کے استقبال میں خوب نہانے دھونے کا اہتمام کرتے ہیں، اس اہتمام میں ان کی عشاء کی جماعت ہی چھوٹ جاتی ہے۔ حالانکہ

روایت میں آتا ہے کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھو تو آدھی رات عبادت کا ثواب ملتا ہے اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھو تو پوری رات عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ اس طرح آدھی اور پوری مل کر ڈیڑھ رات عبادت کا ثواب صرف دو نمازوں کے جماعت کے ساتھ پڑھنے پر ملتا ہے اور روزانہ ملتا ہے لیکن لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ یہ ساری رات جاگ کر عبادت کرنے کے مقابلہ میں کس قدر آسان ہے۔

شبِ برأت میں کیا کریں؟

اس رات کی حقیقت کتابوں میں صرف اتنی ملتی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے جس میں عبادت کرنا مستحب ہے اور اس سے اگلے دن کا روزہ رکھنا مستحب ہے وہ بھی خصوصیت کے ساتھ صرف اس دن کا نہیں بلکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ منقول ہے کہ آپ شعبان کے پورے مہینہ میں کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ ۱۳/ ۱۴/ ۱۵ تاریخ کے روزے رکھتے تھے۔ البتہ اس رات میں ہمت اور بشاشت کے ساتھ جس قدر عبادت ہو سکے ضرور کرنا چاہئے۔ ہم عبادت کی قبیل سے نوافل پڑھیں، تلاوت کریں، ذکر کریں جو چاہے کریں، لیکن اس رات میں خصوصیت کے ساتھ دعا میں مشغول ہونا چاہئے کہ یہ مانگنے والی رات ہے۔ خود اللہ پاک کی جانب سے اعلان ہوتا ہے کہ "ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ ہے کوئی روزی کا طلبگار کہ میں اسے روزی دوں؟ ہے کوئی عافیت مانگنے والا کہ میں اسے عافیت دوں؟" حالانکہ یہ اعلان تو ہر رات میں ہوتا ہے لیکن آخیر شب میں ہوتا ہے جبکہ اس رات میں یہ اعلان غروبِ آفتاب ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس رات

میں اللہ پاک سے مغفرت کا سوال کرنا چاہئے، حلال روزی کا سوال کرنا چاہئے، عافیت کا سوال کرنا چاہئے، صحت کا سوال کرنا چاہئے، اپنے لئے کرنا چاہئے اور پوری امت کے لئے کرنا چاہئے، غرض یہ کہ اس مبارک رات میں دعا کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

یہ بات میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ دیکھیں! جب بجٹ کا زمانہ قریب آتا ہے تو مرکزی میٹنگ ہوتی ہے، تمام صوبے والے اپنی اپنی ضروریات اس میٹنگ میں رکھتے ہیں کہ ہماری یہ ضرورت ہے اور ہماری یہ ضرورت ہے اسے میٹنگ میں پاس کردو۔ ایسے ہی یہ پندرہویں شعبان کی رات بجٹ کی رات ہے اس میں اللہ پاک انسانوں کا بجٹ بنا کر فرشتوں کے حوالہ کردیتے ہیں کہ اس سال دنیا میں اتنے لوگ آنے ہیں اور اتنے لوگ دنیا سے جانے ہیں، فلاں کو اس سال اتنی روزی ملنی ہے اور فلاں کو اتنی ملنی ہے، فلاں کی روزی بڑھانی ہے اور فلاں کی روزی گھٹانی ہے وغیرہ وغیرہ۔ الغرض یہ کہ یہ بجٹ کی رات ہے جس میں اللہ پاک انسانوں کا بجٹ بنا کر فرشتوں کے سپرد کرتے ہیں اور پھر سال بھر اسی بجٹ کے حساب سے کام ہوتا ہے۔

دوستو! جب یہ بجٹ کی رات ہے اور خود اللہ رب العزت فرمارہے ہیں کہ اپنی اپنی ضروریات کا بجٹ بنا کر میرے سامنے پیش کرو میں پاس کروں گا تو پھر ہمیں اپنی اپنی ضروریات کا بجٹ بنا کر ان کے دربار میں پیش کرنا چاہئے اس میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے۔ اپنی ضروریات بنا بنا کر اور سوچ سوچ کر پیش کرنا چاہئے۔ اللہ پاک بڑی طاقت اور قدرت والے ہیں، ان کے خزانہ میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے، وہ ہر چیز کے عطا کرنے پر قادر ہیں۔ جب وہ خود کہہ رہے ہیں کہ مانگو میں دوں گا تو پھر ہمیں مانگنے میں کیا تامل ہے؟

لہٰذا اس رات میں خصوصیت کے ساتھ دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

شبِ برأت میں قبرستان جانا

اس رات میں ایک دستور قبرستان جانے کا بھی ہے، لوگ اسے بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ساری زندگی میں صرف ایک مرتبہ اس رات میں قبرستان جانا ثابت ہے۔ اگر اس رات میں قبرستان جانا ضروری ہوتا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر سال اس رات میں قبرستان تشریف لے جاتے لیکن آپ صرف ایک مرتبہ تشریف لے گئے۔ میں آپ کو قبرستان جانے سے منع نہیں کرتا ضرور جائیں لیکن اس طرح ضروری سمجھ کر جانا، لوگوں کو ترغیب دے کر بھیجنا، نہ جانے والوں پر تنقید کرنا اور انہیں ہدفِ ملامت بنانا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور نہ آپ کے اصحاب سے ثابت ہے اس لئے اگر کوئی نہ جائے تو اس پر تنقید نہ کرنا چاہئے۔

اور اگر جانا ہی ہے تو خاموشی کے ساتھ تنہا چلا جائے اور اس تصور کے ساتھ قبر کے پاس کھڑا ہو کہ جو حشر اس قبر والے کا ہوا یہی میرے ساتھ بھی ہونا ہے کہ جس طرح یہ سب کچھ چھوڑ کر اس دنیا سے چلا گیا، اولاد اور دیگر اعزا و اقارب اس کے پیچھے اس کی دولت سے مزے اڑا رہے ہیں ایسے ہی ایک دن مجھے بھی سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے جانا ہے اور اس شہر خموشاں میں آکر بے یار و مددگار پڑے رہنا ہے۔ پھر جو کچھ مال و دولت ہے وہ سب وارثین آپس میں تقسیم کرلیں گے، میرے مال سے مزے اڑائیں گے اور چند دن رو دھو کر سب مجھے بھول جائیں گے۔ جب اس تصور کے ساتھ قبر کے پاس کھڑے ہوں گے تو پھر ان شاء اللہ موت یاد رہے گی، آخرت کی فکر پیدا ہوگی، رب کی مرضیات والی زندگی

گذارنا اور نامرضیات والی زندگی سے بچنا آسان ہوگا۔

شبِ برات کا ایک دستور

اسی طرح اس رات کا ایک دستور یہ بھی ہے کہ ساری رات مسجدیں کھلی رہتی ہیں اور لوگ نوافل پڑھنے مسجد میں آتے ہیں۔ حالانکہ اگر پوری شریعت کنگھال کر دیکھیں تو یہی ملے گا کہ فرائض تو مسجد میں ادا کئے جائیں گے لیکن نوافل کا گھروں میں پڑھنا افضل ہے۔ اس افضلیت کے پیشِ نظر ہوتا تو یہ چاہئے تھا کہ اس رات میں پڑھی جانے والی نفلیں اپنے اپنے گھروں میں رہ کر پڑھی جاتیں، لیکن لوگ اپنے گھروں میں پڑھنے کے بجائے مسجدوں میں جا کر پڑھتے ہیں۔ اور بعضے نادان تو مسجدوں میں جا کر پڑھنے ہی کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ جانے والوں پر طنز اور تنقید کرتے ہیں اور انہیں بہت بڑی خیر سے محروم سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، نوافل کا گھروں میں پڑھنا ہی افضل ہے۔

نیند کا عذر

بعض لوگ مسجدوں میں جا کر نوافل پڑھنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ گھر پر نماز پڑھتے ہوئے ہمیں نیند آنے لگتی ہے، اور چونکہ ہمیں ساری رات عبادت کرنی ہوتی ہے اس لئے ہم مسجد چلے جاتے ہیں تاکہ ہمیں نیند نہ آجائے۔ میں ایسے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ گھر پر نماز پڑھنے سے صرف انہیں کو نیند آتی ہے یا عورتوں کو بھی آتی ہے؟ اگر وہ بھی یہی عذر کر کے مسجد میں آنا شروع کر دیں کہ ہمیں بھی گھر پر نماز پڑھتے ہوئے نیند آنے لگتی ہے لہٰذا ہم بھی نماز پڑھنے مسجد جایا کریں گے تو پھر کیا ہوگا؟ آخر وہ بھی تو اپنے گھروں میں عبادت کرتی ہیں یا نہیں؟ اور پھر میاں! آپ سے کون کہتا ہے کہ آپ ساری رات جاگ کر عبادت کریں۔

یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ رات جاگنے کی رات نہیں بلکہ عبادت کی رات ہے۔ آسانی اور بشاشت کے ساتھ جتنی دیر عبادت کر سکیں کر لیں اور جب نیند آنے لگے تو سو جائیں۔

دربارِ خاص اور دربارِ عام

دیکھئے دوستو! بادشاہ کا ایک دربارِ عام ہوتا ہے اور ایک دربارِ خاص ہوتا ہے۔ دربارِ عام تک ہر ایک کی رسائی ہوتی ہے اور دربارِ خاص تک ہر کسی کی رسائی نہیں ہوتی، اور جس کی ہوتی ہے اس کے لئے نہایت اعزاز کی بات ہوتی ہے۔ اگر وقت کے حاکم اور بادشاہ کی طرف سے ہمیں دربارِ عام میں آنے کا بلاوا آئے تو یہ ہمارے لئے زیادہ اعزاز کی بات ہوگی یا اس کی طرف سے پرسنل اور خصوصی ملاقات کا بلاوا آئے یہ زیادہ اعزاز کی بات ہوگی؟ ظاہر سی بات ہے خصوصی ملاقات کا بلاوا زیادہ اعزاز کی بات ہے۔ بالکل اسی طرح یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مسجدیں بھی اللہ کا دربارِ عام ہیں جہاں فرائض کی ادائیگی کی خاطر بہت سوں کی رسائی ہے اور یہ نوافل اللہ کی خصوصی ملاقات اور خصوصی دربار ہے جہاں ہر ایک کی رسائی نہیں ہے۔ ہم دنیا کے ایک فانی بادشاہ کی خصوصی ملاقات کو تو اپنے لئے اعزاز کی بات سمجھتے ہیں لیکن مالک الملوک کی خصوصی ملاقات کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ مخلوط مجمع میں آکر اس کی اہمیت کو کم کر دیتے ہیں۔

ایک غلطی

اسی طرح اس رات میں ایک دستور حلوہ بنانے کا بھی ہے اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اگر اس کی اصل ہوتی تو حضرت نبی پاک ﷺ اس کا ضرور اہتمام فرماتے، یہ چیز نہ آپ سے ثابت ہے اور نہ آپ کے صحابۂ کرام سے ثابت ہے۔ شیطان

نے امت کو ایسا دھوکہ میں مبتلا کیا کہ جو رات اللہ کی عبادت میں مشغولی اور اس کا جلوہ دیکھنے کی تھی اس رات کو حلوہ بنانے میں لگا کر عبادت سے غافل کر دیا۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ جی یہ حلوہ کوئی آج ہمارے یہاں نہیں بن رہا ہے بلکہ یہ تو ہمارے یہاں برسوں سے بنتا آیا ہے، ہمارے باپ دادا برسوں سے بناتے آئے ہیں۔ تو ان کی یہ دلیل بھی کفارِ مکہ کی دلیل کی طرح ہے کہ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ بتوں کی پرستش تو ہمارے یہاں برسوں سے چلی آرہی ہے، ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ ہم خود جانتے ہیں کہ بتوں کی پرستش کی جواز میں کفارِ مکہ کی یہ دلیل کس قدر بیکانی اور صحت سے کتنی دور تھی۔

مومن کے اعمال کی حقیقت

دوستو! دیکھا دیکھی اعمال تو منافقین کے ہوا کرتے ہیں، مومنین کے اعمال دیکھا دیکھی نہیں ہوتے بلکہ حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ آج ہمارے معاشرہ میں بہت سی دیکھا دیکھی باتیں رواج پا گئی ہیں جن کا شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں یہ ساری باتیں بہت ہی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کے پاس بیان کرنے نہیں آتا اور نہ مجھے بیان کرنے کا شوق ہے بلکہ ایک فکر اور غم ہے جو مجھے مسلسل کھائے جاتا ہے۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، خدارا! آپ لوگ میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ اب امت میں بہت سے دیکھا دیکھی اعمال اور رسم و رواج دین کی شکل اختیار کر گئے ہیں جن کا حقیقی دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس کے خلاف صحیح بات بتلاتا ہے تو چونکہ یہ رسم و رواج ہماری

طبیعتوں میں رچ بس گئے ہیں اس لئے ہم ان کے خلاف سننے اور صحیح اور حق بات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہیں اس طرح کی باتیں کبھی نہیں جاتیں اور نہ کوئی امت کو محبت و شفقت کے ساتھ ان باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے الا ماشاء اللہ۔ حالانکہ بہت سی صالح طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر انہیں مناسب انداز سے اس جانب متوجہ کیا جائے تو وہ ان بدعات و خرافات سے تائب ہو کر حقیقی دین کو اپنانے والے بن جائیں، وہ بے چارے تو اپنی لاعلمی اور دین سے دوری کی بناء پر ان چیزوں میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ اب علماء اور ائمہ مساجد مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان باتوں کو کھول کھول کر امت کے سامنے بیان کریں تاکہ امت ان رسم و رواج کی بیڑیوں سے آزاد ہو کر حقیقی دین کی فضا میں سانس لے سکے۔

(اس روز مغرب کی نماز آپ نے بشریٰ پارک کی مسجد میں ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہو کر از خود اعلان فرمایا کہ اگر جلدی نہ ہو تو سارے احباب تھوڑی دیر کے لئے تشریف رکھیں، میں بہت مختصر وقت میں کچھ باتیں عرض کروں گا جس سے ان شاء اللہ آپ حضرات کو بہت فائدہ ہوگا اور آج کی رات آپ کو دعا مانگنے کے کچھ مضامین مل جائیں گے)

دعا کا مضمون

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ آج کی رات فضیلت والی رات ہے جس میں غروبِ آفتاب سے لے کر صبح صادق تک اللہ پاک کی جانب سے روزی دینے، عافیت دینے، اور مغفرت کرنے کا اعلان ہوتا رہتا ہے۔ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ اعلان روزانہ رات کی آخری نصف شب یا آخری تہائی شب میں

ہوتا ہے۔ لیکن ہم کمزوروں کے لئے اس وقت اٹھنا چونکہ دشوار ہوتا ہے اس لئے اللہ پاک نے ہم جیسوں پر یہ مہربانی فرمائی کہ ہمیں ایک رات ایسی عنایت فرمادی جس میں یہ اعلان مغرب ہی سے شروع ہوجاتا ہے اور صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے کہ اگر تم سے روزانہ نہیں اٹھا جاتا تو ہم تمہیں ایک ایسی رات مرحمت کرتے ہیں جس میں یہ اعلان مغرب ہی سے شروع ہوجائے گا تا کہ تم بھی اس اعلان کے وقت اللہ پاک سے اپنی مرادیں مانگ سکو۔ اب اس رات میں ہم نوافل پڑھیں گے، تلاوت کریں گے، ذکرواذکار کریں گے، دعا مانگیں گے۔ لیکن کیا دعا مانگیں؟ اس کا مضمون کیا ہو؟ اس کے متعلق ابھی مجھے تقاضہ ہوا کہ کچھ عرض کردوں تا کہ آپ حضرات کو دعا کا مضمون مل جائے اور پھر اس کی روشنی میں آپ سوچ سوچ کر دعائیں مانگتے رہیں۔

دیکھئے! ہر آدمی دعا مانگنا نہیں جانتا! نہ اس کے پاس دعا کا مضمون ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی ذہنی سطح اور فہم کے مطابق کچھ مانگ لیتا ہے۔ جس طرح چھوٹے بچے سے پوچھا جائے کہ بیٹا! تمہیں کیا چاہئے؟ تو وہ کہے گا کہ مجھے بسکٹ چاہئے۔ اور اگر اس سے کچھ بڑے بچے سے پوچھا جائے کہ تمہیں کیا چاہئے؟ تو وہ کہے گا کہ مجھے سائیکل چاہئے۔ اور اگر اس سے کچھ بڑے سے پوچھا جائے کہ تمہیں کیا چاہئے؟ تو وہ کہے گا کہ مجھے موٹر سائیکل چاہئے۔ غرضیکہ ہر آدمی اپنی اپنی فہم اور سطح کے مطابق مانگتا ہے۔ اسی طرح دعا بھی ہر آدمی مانگنا نہیں جانتا اور اگر جانتا بھی ہے تو اس کے پاس دعا کے مضامین نہیں ہوتے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مختصر وقت میں دعا کے کچھ مضامین کی طرف اشارہ کردوں۔

دیکھئے! دین کے پانچ شعبے ہیں:

۱) ایمانیات

۲) عبادات

۳) اخلاقیات

۴) معاملات

۵) معاشرت

دین کے یہ پانچوں شعبے ہمارے درست ہوجائیں اس کے متعلق ہمیں دعا مانگنا ہے۔ مثلاً سب سے پہلے ایمانیات کا نمبر ہے تو اس کے متعلق یہ مانگیں کہ یا اللہ! وہ تمام باتیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے ہم آپ کو گواہ بناتے ہیں کہ ہم ان تمام باتوں پر ایمان لاتے ہیں آپ ہمیں ایمان کا کامل درجہ عطا فرما دیجئے۔ جیسا ایمان آپ نے اپنے ولیوں اور نیک بندوں کو عطا فرمایا ہے ویسا ایمان آپ ہمیں بھی عطا فرما دیجئے۔

عبادات میں سب سے پہلے نماز کا نمبر ہے۔ نماز کے متعلق یہ مانگیں کہ یا اللہ! ہم برسوں سے نماز پڑھ رہے ہیں لیکن اب تک غفلت کے ساتھ ہی پڑھ رہے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ ہماری یہ نماز آپ کے دربار میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔ ہم اس مبارک رات میں آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ اپنی مہربانی سے ہمیں اچھی نماز عطا فرما دیجئے، ہماری نماز سے غفلت کو دور فرما دیجئے، جس طرح نماز پڑھنا آپ کو پسند ہے آپ ہمیں اسی طرح نماز پڑھنے کی توفیق دے دیجئے، ایسی نماز جسے پڑھ کر ہمیں نماز کا مقصود حاصل ہوجائے اور جس کے ہر ہر رکن کی ادائیگی کے بعد آپ کی قربت اور آپ سے تعلق میں اضافہ محسوس ہو ایسی اچھی نماز آپ ہمیں عطا فرما دیجئے۔

اسی طرح عبادات میں روزہ کے متعلق بھی مانگیں کہ یا اللہ! ہم برسوں سے روزے رکھ رہے ہیں لیکن اب تک ہم روزہ کے مقصود کو پانے سے محروم ہیں۔ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اس مبارک رات کی برکت سے آپ ہمیں اس طرح روزہ رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیے جس طرح روزہ رکھنا آپ کو پسند ہے اور روزہ کا مقصود یعنی کامل تقویٰ ہمیں عطا فرما دیجئے۔

اسی طرح زکوٰۃ کے متعلق مانگیں کہ یا اللہ! آپ ہمیں حلال روزی عطا فرمائیے، اس میں خوب برکت عطا فرمائیے اور ہمیں اس کے صحیح استعمال کی توفیق نصیب فرمائیے۔ مال آئے تو آپ کے تعلق کے ساتھ آئے، مال خرچ کریں تو آپ کے تعلق میں اضافہ ہو، اس مال کی محبت دل میں نہ آنے پائے۔ اور جس وقت جس مد میں جتنا خرچ کرنا آپ کو پسند ہو آپ اس وقت اس مد میں ہم سے اتنا خرچ کرا دیجئے اور قبول بھی فرما لیجئے۔ اے مالک! ہم زکوٰۃ تو دیتے ہیں، کچھ صدقہ خیرات بھی کر دیتے ہیں لیکن جہاں خرچ کرنے سے آپ زیادہ خوش ہوتے ہوں آپ ہمیں وہیں خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائیے۔ آپ ہمارے دل میں ڈالئے کہ آپ کے کن بندوں پر خرچ کرنے سے آپ زیادہ خوش ہوتے ہیں، ہمیں اپنا مال وہیں خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائیے۔ ہم ان پر اپنا مال خرچ کر کے ان پر اپنا احسان نہ جتلائیں بلکہ ان کے احسان مند ہوں کہ انہوں نے ہمارا مال قبول فرما لیا۔ ہمیں اپنا مال ڈھونڈ ڈھونڈ کر ولیوں اور متقیوں پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

اسی طرح حج کے متعلق مانگیں کہ یا اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس آپ کے دربار میں آنے کے وسائل نہیں ہیں لیکن آپ وسائل کے محتاج بھی نہیں ہیں، آپ

ہمارے لئے خزانۂ غیب سے اپنے دربار میں پہنچنے کی سبیل پیدا فرما دیجئے اور ہر سال مقبول حاضری کی توفیق نصیب فرمائیے۔ آپ میرے دل کے اندر اس مقدس دربار میں پہنچنے کی وہ سچی طلب اور تڑپ پیدا فرما دیجئے جس کی بنیاد پر آپ بلانے کے فیصلے فرمایا کرتے ہیں۔

دوستو! ہم اپنی ذات پر نظر رکھ کر نہ مانگیں بلکہ ان کی شان پر نظر رکھیں جن سے مانگ رہے ہیں، ان کے لئے ہر سال بلانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو بہت تنگ دستی میں زندگی گذار رہے ہیں لیکن اللہ پاک انہیں ہر سال حج کے لئے بلاتے ہیں۔ صرف ایک صاحب کی مثال سن لیجئے جنہیں میں جانتا ہوں، ان کے پاس دو جوڑی سے زیادہ کپڑا نہیں ہوتا، بنئے کے راشن کا بل تیس تیس ہزار تک پہنچ جاتا ہے دینے کی نوبت نہیں آتی، بنئے کو اعتماد ہے کہ جب ان کے پاس پیسہ آتا ہے دے دیتے ہیں اس لئے وہ اناج دیتا رہتا ہے۔ وہ صاحب اب تک سو حج کر چکے ہیں کسی نہ کسی طرح اللہ پاک انتظام کرا دیتے ہیں۔ اس لئے اپنی حالت کو نہ دیکھیں، ان کے لامحدود خزانے پر نگاہ رکھ کر مانگیں پھر دیکھیں اللہ پاک کس طرح سبیل پیدا فرماتے ہیں۔

اسی طرح اخلاقیات سے متعلق مانگیں کہ یا اللہ! جو اخلاق حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کے تھے ان اخلاقِ عالیہ وکریمانہ کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرما دیجئے۔ ہمیں بھی ایسے اخلاق اور اوصاف سے متصف فرما دیجئے کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی سمجھ جائے کہ یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے، ہماری ذات اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن جائے کہ ہماری ہر حرکت اور ہر سکون سے اسلامی شان جھلکتی ہو اور لوگ ہمیں دیکھ کر

اسلام میں داخل ہوں۔ یا اللہ! یہ آپ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے، بہتوں کو آپ نے ایسا بنایا تھا، اب بھی بنارہے ہیں، آپ اپنی مہربانی سے ہمیں بھی ایسا بنادیجئے۔

اسی طرح معاملات سے متعلق مانگیں کہ یا اللہ! آپ ہمیں حلال روزی عطا فرمایئے، حرام اور مشتبہ مال سے بچالیجئے۔ اے مالک! ہم حلال روزی ہی کمانا چاہتے ہیں لیکن لاعلمی میں یا اپنی دانست میں صحیح سمجھتے ہوئے ہم کسی ایسے معاملہ میں ملوث ہوں جو شرعی نقطۂ نظر سے غلط اور آپ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو تو آپ عافیت کے ساتھ ہمارا ذہن اس جانب منتقل فرمادیجئے اور ہمیں ان تمام معاملات کو عین سنت وشریعت کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمایئے، پچھلی زندگی میں ہم جتنے معاملات سنت وشریعت کے خلاف کرچکے ہیں آپ ہماری ان تمام غلطیوں کو اپنی مہربانی سے معاف فرماکر ان تمام معاملات کو شریعت کے مطابق کرلینے کی توفیق عطا فرمایئے۔ بندوں کے حقوق خواہ جانی ہوں یا مالی ہمیں ان تمام حقوق کو احسن طریقہ پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمایئے اور آئندہ تمام معاملات کو سنت وشریعت کے مطابق ہی کرنے کی توفیق نصیب فرمایئے۔

اسی طرح معاشرت سے متعلق مانگیں کہ یا اللہ! جس طرح کی معاشرت حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں صحابہ کرام کی تھی آپ ہمیں ایسی معاشرت نصیب فرمادیجئے اور ہمارے تمام معاشرتی بگاڑ کو عافیت کے ساتھ دور فرمادیجئے، ہماری گھریلو معاشرت درست فرمادیجئے، آس پڑوس کے ساتھ ہماری معاشرت درست فرمادیجئے، دوست احباب، اعزاء واقارب کے ساتھ ہماری معاشرت درست فرمادیجئے، حسنِ معاشرت سے ہماری زندگی کو آراستہ کردیجئے۔ پھر آخر میں کہیں کہ یا اللہ! آپ

جانتے ہیں کہ ہمیں مانگنا نہیں آتا، ہم نے اپنی فہم کے مطابق اپنی بساط بھر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں آپ سے کچھ مانگا ہے آپ اسے قبول فرمالیجئے۔ اور جو چیزیں ہمارے مانگنے سے رہ گئیں یا جو آپ کے نیک بندوں نے اس رات میں آپ سے مانگا ہے، آج مانگ رہے ہیں اور آئندہ جب جب مانگیں گے آپ ان تمام دعاؤں کو ہمارے اور پوری امت کے حق میں قبول فرمالیجئے اور اپنی شان کے مطابق ہمیں عطا فرمادیجئے۔

دیکھئے! میں نے آپ حضرات کے سامنے اس مختصر وقت میں دعاؤں کے کچھ مضامین کی طرف اشارہ کردیا ہے جس سے آپ حضرات کو دعاؤں کے مضامین کی طرف رہنمائی ہوجائے گی، آپ اس میں اپنی جانب سے اور بہت سی چیزوں کا اضافہ کرتے چلے جائیں اور خوب کثرت سے اس رات میں دعا کا اہتمام کریں۔ لیکن اسی وقت تک کہ بشاشت باقی رہے اور جب نیند کا غلبہ ہونے لگے تو فوراً سو جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس رات کی فضیلت کے پیش نظر دعا ہی میں لگے رہیں اور اخیر شب میں جب نیند کا غلبہ ہونے لگے تو کمر سیدھی کرنے کے بہانے لیٹیں اور فجر ہی قضا کردیں۔

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس رات کی ساری عبادتیں استحباب کا درجہ رکھتی ہیں اور فجر کی نماز فرض کا درجہ رکھتی ہے، فرض کا ترک کرنا حرام اور قابل مواخذہ جرم ہے جبکہ مستحب کے ترک کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ مستحب پر اسی وقت عمل کیا جائے گا جب اس کی وجہ سے کسی فرض کی ادائیگی میں خلل واقع نہ ہو، اور جہاں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہوگا وہاں مستحب پر عمل تو کجا بلکہ اس کا ترک کرنا ضروری ہوگا یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور ہاں! اس رات میں آپ جہاں اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے

دعا کریں وہیں مجھے بھی اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اس لئے کہ میں بھی بہت محتاج ہوں بلکہ سب سے زیادہ محتاج ہوں، اللہ پاک مجھے بھی ان گذارشات پر عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

اپنا ہر عمل سنت کے مطابق انجام دیں

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ آج کے متبعِ سنت صرف انہیں سنتوں پر عمل کرتے ہیں جو انہیں اچھی لگتی ہیں۔ مثلاً مونچھ کتروا لیتے ہیں، سرمہ لگا لیتے ہیں، عطر لگا لیتے ہیں، صاف ستھرا کپڑا پہن لیتے ہیں۔ یہ کوئی خراب بات نہیں ہے اچھی بات ہے کرنا چاہئے۔ لیکن اگر ان تمام اعمال کو اتباع سنت کی وجہ سے انجام دیا جاتا ہے تو پھر آخر یہ بھی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے کہ آپ خود کو نماز میں اتنا تھکاتے تھے کہ پنڈلیوں پر ورم آجاتے تھے۔ اور یہ نہیں کہ آپ کبھی کبھار ایسا کرتے تھے بلکہ آپ کے یہاں اس کا مستقل اہتمام تھا۔ ہم ذرا غور کریں کہ اگر مذکورہ تمام اعمال سنت سمجھ کر کئے تھے تو پھر آپ کی اس مستقل سنت پر عمل کی نوبت کیوں نہیں آتی؟ آخر اس کے عدم اہتمام کی کیا وجہ ہے؟ بات صاف ہے کہ ہم صرف انہیں سنتوں پر عمل کرتے ہیں جن پر عمل کرنا ہمیں آسان لگتا ہے یا جو ہماری طبیعتوں کو اچھی لگتی ہیں، آخر اس میں اتباعِ سنت کا جذبہ کہاں ہے؟ بلکہ اس میں تو اپنی نفس کی اتباع کا جذبہ کارفرما ہے۔ اگر اتباعِ سنت کے جذبہ کے ساتھ سنتوں پر عمل کیا جاتا تو صبح سے لے کر شام تک انجام دینے والے تمام اعمال کی سنتیں معلوم کی جاتیں اور اپنی بساط بھر تمام سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام کیا جاتا۔

ایک قیمتی معمول

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ میری والدہ نے مجھے چودہ یا پندرہ برس کی عمر میں سورۂ واقعہ اور سورۂ ملک حفظ کرادیا تھا، الحمد للہ اس وقت سے لے کر آج تک کبھی ان سورتوں کا ناغہ نہیں ہوا۔ الا یہ کہ کبھی ایسا بیمار رہا کہ چوبیس گھنٹے تکلیف میں پڑا رہا، اٹھنے کی بھی ہمت نہ ہوئی اس وقت ممکن ہے ناغہ ہو گیا ہو لیکن جان کر تو کبھی ناغہ نہیں کیا۔ اور کرتا بھی کیسے کہ حدیث پاک میں سونے سے قبل ان دونوں سورتوں کی تلاوت کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

چنانچہ سورۂ واقعہ سے متعلق روایت میں آتا ہے کہ جو شخص روزانہ سوتے سے قبل سورۂ واقعہ کی تلاوت کا معمول بنالے وہ فاقہ سے محفوظ رہے گا، اسی طرح جو شخص روزانہ سونے سے قبل سورۂ ملک کی تلاوت کرے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ آج مسلمان فاقہ اور تنگ دستی کا رونا روتا ہے حالانکہ حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۂ واقعہ اور سورۂ ملک کی تلاوت کی صورت میں اسے فاقہ اور عذاب قبر سے حفاظت کا سامان بتادیا تھا۔ اب بتلا دیئے جانے کے بعد بھی اگر کوئی تنگ دستی سے بچنے اور عذاب قبر سے حفاظت کا سامان نہ کرے تو اس میں کسی اور کا نہیں خود اس کا اپنا نقصان ہے۔

مؤمن کیسا ہوتا ہے؟

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: کہ کیا مؤمن بھی کہیں سست ہوتا ہے؟ مؤمن تو چست اور چاق و چوبند ہوا کرتا ہے۔ ہاں مؤمن اسی وقت سست ہوتا ہے جب وہ دینی اعمال میں سستی کرتا ہے۔ جو جتنا دینی اعمال میں چست ہوگا وہ اتنا ہی دنیوی کاموں میں بھی چست ہوگا اور جو جتنا دینی اعمال میں سست ہوگا وہ اتنا ہی اپنے دنیوی کاموں میں

بھی سست ہوگا۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جو شخص فجر کی نماز میں سستی کرتا ہے اور یہ سوچتا
رہتا ہے کہ ابھی تو بیس منٹ باقی ہیں ابھی اٹھتا ہوں، ابھی تو دس منٹ باقی ہیں ابھی اٹھتا
ہوں حتیٰ کہ اسی سستی اور کاہلی میں نماز قضا کردیتا ہے تو چونکہ یہ صبح کی نماز اس کی روح کی
غذا تھی، جب اس نے صبح کی نماز ہی قضا کردی تو اس کی روح کو غذا نہیں ملی۔ جب روح کو
غذا نہیں ملتی تو وہ سست ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے آدمی کا جسم بھی سست ہوجاتا ہے پھر ایسا
شخص چستی اور مستعدی کے ساتھ کوئی کام نہیں کرپاتا۔

مسواک کا اہتمام

ارشاد فرمایا: کہ آج کل لوگوں کو مسواک اپنے ساتھ لے کر چلنا بہت گراں معلوم
ہوتا ہے حتیٰ کہ اب بعضے دیندار سمجھے جانے والے حضرات بھی اسے ساتھ رکھنے میں گرانی
محسوس کرتے ہیں حالانکہ موبائل ساتھ لے کر چلنا کچھ گراں نہیں لگتا۔

دیکھئے! میں ایک مسواک جیب میں رکھتا ہوں، ایک میرے بیگ میں رہتی ہے،
ایک بیڈ روم میں رہتی ہے، ایک باتھ روم میں رہتی ہے، دیکھیں شیطان کہاں تک بھلاتا
ہے، لیکن یہ تو جب ہوگا کہ مسواک کی اہمیت سمجھی جائے۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ مجلس سے
فارغ ہوکر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری طبیعت اچھی ہے، میں نماز پڑھنے مسجد تک جاسکتا
ہوں چنانچہ مسجد چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر مجھے ایک دم استنجاء کا تقاضہ ہوا، اتفاق کی بات کہ اس
روز میں جیب والی مسواک گھر بھول آیا تھا۔ جب استنجاء سے فارغ ہوا تو وضو کرتے سے
پہلے ایک جاننے والے سے مسواک مانگ کر کرلی تاکہ وضو بلا مسواک نہ ہو۔ اب اگر کوئی
یہ کہے کہ جی مسواک کوئی وجوب کے درجہ کی چیز تو ہے نہیں پھر اس درجہ اس کے اہتمام کی

کیا ضرورت کہ مانگ کر کی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ بھائی! سگریٹ پینے والا شخص سگریٹ
کی خاطر کسی سے ماچس مانگتے ہوئے کبھی نہیں شرماتا پھر بھلا ہم مسواک مانگنے میں کیوں
شرم محسوس کریں اور وہ بھی جاننے والے سے۔ اور رہی مسواک کے وجوب کی بات تو ہم
کہاں کہتے ہیں کہ مسواک وجوب کے درجہ کی چیز ہے یہ سنت ہی ہے لیکن ایسی سنت ہے
جس پر آپ ﷺ کا عمل دوام کے ساتھ ثابت ہے۔

خود حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ”اگر مجھے امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر
نماز کے وقت انہیں مسواک کا حکم کرتا“ اس سے پتہ چلا کہ آپ نے مشقت کے خوف سے
امت کو اس کا حکم تو نہیں دیا لیکن یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مسواک کا عمل آپ کے نزدیک
کتنا پسندیدہ اور اس کی کس قدر اہمیت آپ کے نزدیک تھی۔ ارے میاں! کوئی کچھ کہے کہ
مسواک کوئی فرض اور واجب کے درجہ کی چیز تھوڑی ہی ہے پھر اس کے اس قدر اہتمام کی
کیا ضرورت ہے؟ لیکن سچ کہوں تو مجھے واقعتاً اس کے بغیر چین نہیں آتا، اس کے بغیر یوں
معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی چیز کھوگئی ہے، دل اندر سے بے چین رہتا ہے۔ اور بات بھی یہ ہے
کہ حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان سے یہ بہت بعید ہے کہ آپ نے
بلاضرورت کوئی بات کہی ہو یا کوئی عمل امت کو ایسا بتلایا ہو جس کی امت کو ضرورت نہ ہو۔
کیا کہیں ان کے پاس بھی اتنا وقت تھا کہ وہ بلاضرورت کوئی بات کہیں یا کوئی غیر ضروری
عمل امت کو بتلادیں۔ ایسا کہنا یا سوچنا تو ان کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہوگی۔

دیکھئے! نیند کی حالت میں کروٹ بدلتے ہوئے بھی کچھ پڑھنا آپ سے منقول
ہے۔ حالانکہ اس وقت غفلت ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے اس وقت امت کو کچھ

کلمات پڑھنے کے لئے بتلائے ہیں کہ گرچہ تم اس وقت نیند کی حالت میں ہو پھر بھی ان کلمات کو پڑھ لیا کرو تاکہ اس حالت میں بھی تم اللہ سے غافل نہ رہو۔ تو اس وقت کے لئے ان کلمات کی تعلیم کیا برائے بیان تھی یا عمل کے لئے تھی؟ برائے بیان تو ہو نہیں سکتی کہ یہ آپ کی شانِ عالی سے بہت بعید ہے کہ کوئی ایسی بات امت کو بتلا دیں جس کا تعلق عمل سے نہ ہو۔ اور اگر برائے عمل ہے تو پھر یہ کہہ کر کہ میاں سنت ہی تو ہے اس کا ترک کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اور کیا ہمارا یہ کہنا اس سنت کا استخفاف نہیں ہے؟ دیکھئے! صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عاشق تھے اور ایسے عاشق تھے کہ حتی الامکان آپ کی ہر ادا کی نقل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک آپ کی ایک ایک سنت قیمتی تھی اور آپ کا ہر قول وفعل ان کے نزدیک قابلِ تقلید تھا، وہ سنت پر اس لئے عمل کرتے تھے کہ یہ ہمارے آقا کی سنت اور آپ کا طریقہ ہے اور ہم سنت کو اس لئے ترک کر دیتے ہیں کہ یہ سنت ہی تو ہے۔

دیکھئے! آج ہی بات ہے کہ جب صبح فجر کے بعد میں دودھ پی کر فارغ ہوا تو مجھے پڑھانے والے استاذ صاحب تشریف لے آئے، میں نے یہ سوچ کر کہ ابھی گرم پانی سے کلی کرنے میں وقت لگے گا جس کی وجہ سے انہیں انتظار کی زحمت ہوگی بغیر کلی کئے ہی جا کر پڑھنے بیٹھ گیا۔ لیکن چونکہ دودھ پینے کے بعد کلی کرنا مسنون ہے اور میں نے کلی نہیں کی تھی اس لئے طبیعت اندر سے مسلسل بے چین تھی، جب کلی کر چکا تب جا کر طبیعت کو سکون ہوا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک مسلمان اور خاص طور سے پڑھا لکھا دیندار مسلمان اتباعِ سنت کے بغیر کیسے زندگی گزار لیتا ہے؟

ایک نکتہ

دیکھئے! جس وقت کا جو عمل مسنون ہے اس وقت اس عمل کو نہ کرنا گویا کہ تی دیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دینا ہے اور جو جتنا انہیں بھلائے رکھے گا وہ قیامت کے دن اتنا ہی بھلا دیا جائے گا۔

جسم والی امانت کی حفاظت بھی ضروری ہے

اسی طرح آپ چائے پینے کے فوراً بعد بھی کلی کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس کی وجہ بار ہا آپ کے زبانِ مبارک سے سنی کہ یہ جسم ہمارے پاس امانت ہے، اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم اس کے مالک نہیں ہیں کہ جیسا چاہیں استعمال کریں، ہر ہر عضو اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ لیکن عام طور سے لوگ یہ بات سمجھتے نہیں، سمجھتے ہیں کہ جسم تو ہمارا ہے ہم جیسے چاہیں اسے استعمال کریں۔ گرم گرم کھانا کھا رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ٹھنڈا پانی یا کولڈ ڈرنکس بھی پی رہے ہیں۔ جبکہ یہ ہمارا معدہ بھی تو اور مشینوں کی طرح ایک مشین ہے بلکہ بہت نازک مشین ہے۔ جس طرح ہم اپنی دوسری مشینوں کی حفاظت کرتے ہیں اور انہیں نقصان دہ چیزوں سے بچاتے ہیں اسی طرح اس معدہ کی حفاظت کرنا اور اسے نقصان دہ چیزوں سے بچانا بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ نظامِ ہاضمہ کو درست رکھنے والی یہ مشین بخوبی اپنا کام کر سکے اور صحت اور تندرستی کی حفاظت ہو سکے۔ اب جب گرم گرم کھانا اس معدہ میں ڈالا گیا تو اس وقت معدہ میں اس گرم کھانے کی وجہ سے حدت پیدا ہوئی اور پھر ہم اسی حدت والی حالت میں معدہ کے اندر ٹھنڈا پانی بھی ڈال دیں تو بیک وقت گرم اور ٹھنڈا جمع ہونے کی وجہ سے اس پر منفی اثر پڑتا ہے اور نظامِ